کشمیر میں ڈوگرون کی حکومت کا حصۂ اوّل یعنے

سوانح عمری

مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر

بانی ریاست جموّن و کشمیر

جسمین

راجہ دہیان سنگھ صاحب۔ راجہ سوچیت سنگھ صاحب
راجہ ہیرا سنگھ صاحب اور مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب
کے فرزندان میان اُودھم سنگھ صاحب۔ میان
سوہن سنگھ صاحب اور دربار لاہور کے عروج اور
زوال کے مفصل حالات درج ہین۔ اور جس کو
پنڈت سالگرام کول وکیل ہائیکورٹ ریاست جموّن
و کشمیر اور مالک مطبع سالگرام پریس نے مختلف
کتابون کی امداد سے تالیف کیا

۱۹۱۴ء

سمت ۱۹۷۱ میں

باہتمام کارپردازان مطبع سالگرام پریس کشمیر مین چھپی

PDF CREATION BY SHAMIM KHAN 03.01.2020

نویدن

میں کتاب ہذا کو اپنے رعایا پرور دہرم اوتار
فرشتہ خصلت - فیاضِ زمان مہاراجہ
پرتاپ سنگھ صاحب بہادر دام اقبالہ
میجر جنرل - جی - سی - ایس - آئی - وغیرہ وغیرہ
والی ریاست جمّون و کشمیر کے نام نامی سے
معنون کرتا ہون

بندہ پنڈت سالگرام کول مولف

دیباچہ

میں نے اس کتاب کو دراصل انگریزی میں لکھکر ۱۹۱۰ء میں جناب دیوان بدری ناتھ صاحب پرایویٹ سکریٹری سری حضور مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ و ملکہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ تاکہ وہ مناسب موقعہ پر سرکار والا مدار کی نذر کریں ۔ اوس کی جب جو کچھہ قدردانی ہوگی۔ اطلاع دی جائیگی۔ لیکن اکثر یار دوستوں اور کتاب مذکور کے شائقین کو زیادہ انتظار کی طاقت نہیں۔ اسلئے اون کے اصرار پر یہ اردو ترجمہ شایع کیا جاتا ہے۔

جن حاسد مورخوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے حالات لکہنے میں بغض اور تعصب سے کام لیا ہے۔ گو اس کتاب میں اونکا جواب نہیں دیا گیا۔ لیکن جو سچے حالات تھے وہ راست راست بیان کردئے گئے ہیں۔ علاوہ اسکے یہ کتاب اس بات کی ضرور تعلیم دیتی ہے کہ ایک ہندو مہاراجہ میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہیں۔ قومیں کسطرح بنتی اور کسطرح بگڑ جاتی ہیں۔ ایک اولوالعزم آدمی اپنی نچلی حالت میں ہمت مردانہ سے کسطرح عروج حاصل کرسکتا ہے۔ نمکحرامی اور نمکحلالی کا ملک گیری پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور ملک گیری کیواسطے کس کس قسم کی چالیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ کتاب ہذا مقبول عام ہوگی۔

راقم بندہ سالگرام کول پنڈت مولف

مہاراجہ گلاب سنگھ کی خاندانی عظمت

مہاراجہ گلاب سنگھ جنہوں نے موجودہ ریاست جموں اور کشمیر کی بنیاد سمت ۱۹۰۳ میں رکھی تھی۔ پنجاب کے اُن اراکین سلطنت میں سے شمار کیجاتے ہیں۔ جو انیسوین عیسوی صدی میں پالٹکس یا امورات ملکی کی معاملہ فہمی میں خاص طور پر نامور ہو گذرے ہیں وہ ایک اعلیٰ نظیر اس بات کی ہیں۔ کہ ایک شریف آدمی جو غریب ہو گیا ہو۔ اپنی خداداد لیاقت۔ علو العزم طبیعت۔ اور لگاتار کوششوں اور جوہر مردانگی سے بڑھتے بڑھتے کسطرح ایک خود مختار مہاراجہ بن سکتا ہے۔ بعض روایتوں سے جن کی تصدیق سنسکرت کی مختلف کتابوں اور تواریخوں سے ہوتی ہے۔ پایا جاتا ہے کہ کوہستان جموں کا یہ عظیم الشان مہاراجہ اُس سورج بنسی خاندان کی اولاد میں سے تھا۔ کہ جس نامور چھتری خاندان کے مورث اعلیٰ اجودھیا پوری کے مشہور و معروف مہاراجہ سری رامچندر مہاراج ہو گذرے ہیں۔

روایت یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں اس رگ خاندان میں سے دو بھائیوں نے جن میں سے ایک کا نام سرب یو اور دوسرے کا نام دلیپ تھا۔ سفر کے عزم پر ہمت کی کمر کو چست باندھکر معہ نوکر چاکر اور دیگر وابستگان کے اجودھیاپوری کی رہایش سے قطع تعلق کیا۔ اور منزل بمنزل قطع کرتے ہوئے سب سے پہلے ہردوار میں پہونچے۔ جہاں اُنہوں نے خوب تپسیا کی۔

کچھ عرصہ کے بعد دونوں بھائیوں نے اس جگہ سے بھی کوچ کیا اور ستلج کے گرد و نواح میں پہونچے۔ اور اس سرزمین کی آب و ہوا کچھ ایسی پسند آئی کہ آخرکار وہاں ہی آباد ہو گئے یہاں اولاد بھی پیدا ہوئی جو خوب پھلی اور پھولی۔ جو کہ بڑھتے بڑھتے ہر چہار طرف پھیل گئی۔ اور ان میں سے

ہی ایک بزرگوار نے آکر جموں کی بھی بنیاد رکھی +

گلاب نامہ کے مطابق جو کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ بہادر سرگباشی کے مشہور و معروف اور نہایت ہر دلعزیز دستور معظم دیوان کرپا رام صاحب کی تصنیف کردہ کتاب ہے جسکو دیوان صاحب موصوف نے پوری تحقیقات کے بعد تصنیف کیا تھا اور جو اس نامور راجپوت خاندان کی ایک مستند تواریخ ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے بزرگوں کی ابتدائی کیفیت یہ ہے۔ کہ رامچندرجی مہاراج کی اولاد میں سے جس شخص نے جموال راجپوتوں کا خاندان چلایا۔ اور زمانہ قدیم میں اجودھیاپوری کی رہایش سے بیزار ہو کر معہ عیال و اطفال اور نوکر و چاکروں کے اپنے وطن کو خیرباد کہکر راہ مسافرت اختیار کی۔ اُس کا نام اگنی گر تھا +

یہ علو العزم بزرگ کلجگ سے ایک ہزار برس پیشتر اپنے وطن سے نکلا۔ پھرتے پھرتے پہلے اجمیر میں پہونچا۔ پھر ہردوار کو گیا یہاں کسقدر عرصہ تک تپسیا کرتا رہا۔ پھر یہاں سے بھی طبیعت اوچاٹ ہوئی۔ اور پنجاب کے طرف رخ کر کے کوہستان سوالک میں جا ڈیرہ لگایا۔ (کوہستان سوالک کوہستان ہمالیہ کے اُن ابتدائی پہاڑوں کے سلسلہ کا نام ہے۔ جو ہردوار سے شروع ہو کر ڈیرہ دون۔ ناہن۔ کالکا۔ بلدپور۔ کانگڑہ وغیرہ میں سے گذر کر جموں تک پہونچتا ہے) یہاں سے اگنی گر کی نسل پھیلی اور ہر طرف اپنی قسمت آزمائی کرنے لگی حتیٰ کہ اُن میں سے کچھ افراد نے دریائے ستلج کو بھی عبور کیا۔ بلکہ پنجاب کے دیگر دریاؤں سے بھی پار ہو کر آہستہ آہستہ جموں کے کوہستان میں بھی آپہونچے اور جو لوگ وہاں پہلے سے آباد تھے۔ اُن پر حکومت کرنے لگے +

اگنی گر کی آٹھویں پشت میں ایک راجہ پیدا ہوا جس کا نام جامولوچن تھا۔ شہر جموں کا بسانیوالا یہی راجہ ہو گذرا ہے۔ اور جسطرح اس راجہ کو اس شہر کے آباد کرنیکا خیال گذرا۔ اوس کے متعلق ایک عجیب غریب وقوعہ بیان کیا جاتا ہے روایت ہے۔ کہ جامولوچن کو شکار کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز

اُس نے شکار کھیلتے ہوئے ایک ہرن پر تیر چلایا۔ ہرن زخمی تو ہو گیا لیکن اس پہاڑی پر جا چڑھا۔ جہاں اسوقت جموں آباد ہے۔ پیچھا کرتے ہوئے جامولوچن بھی اس پہاڑی پر جا چڑھا۔ ہرن تو خدا معلوم چونکر یہاں بہرتے ہوئے یہہ جا وہ جا کہیں جا چھپا۔ لیکن جامولوچن دیکھتا کیا ہے۔ کہ اس پہاڑی کی چوٹی پر ایک تالاب ہے جس میں کسیقدر برساتی پانی جمع ہے۔ اور اس تالاب کے کنارہ پر ایک جگہ ایک شیر اور دوسری جگہ ایک بکری پانی پی رہے ہیں۔ لیکن نہ بکری شیر سے ڈرتی ہے اور نہ شیر ہی اُس بکری کو اپنا شکار بنانا چاہتا ہے +

جامولوچن کو ان دونوں جانوروں کے اس انوکھے نظارہ سے حیرت پیدا ہوئی شکار کا پیچھا چھوڑا۔ اور خود اس سوچ کا شکار رہوا۔ کہ اس شیر نے ایسی بزدلی کیوں اختیار کی۔ کہ بکری کیطرف دیکھتا بھی نہیں۔ اور وہ بکری ایسی شیر دل کس وجہ سے ہو گئی۔ کہ شیر کی کچھہ پروا ہی نہیں کرتی۔ آخر کار اس نے یہ رائے قائم کی۔ کہ دراصل یہ قطعہ زمین نہایت متبرک ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی تاثیر ضرور موجود ہے کہ جس کی برکت سے شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پانی پیتے تھے۔ اب علاوہ یہ خیال گذرا کہ اس پہاڑی پر جو کہ گرد و نواح کی زمین سے بلند بھی ہے۔ جنگلوں سے بھی محفوظ ہے۔ دشوار گذار بھی ہے۔ اور ایسی تاثیر بھی رکھتی ہے۔ کہ زبردست شیر زیردست بکری پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایک شہر بسایا جائے۔ تو اُس میں بھی یہ خوبی ضرور ہوگی۔ کہ کوئی زبردست کسی زیردست پر حملہ نہ کر سکیگا۔ یہ خیال کر کے اور اچھا مہورت دیکھکر جامولوچن نے جموں کو اپنے نام سے آباد کیا۔ جو اُس دن سے اُس کی اولاد کا دارالحکومت چلا آتا ہے۔ سچ ہے کہ اُس کی نسل میں سے بعض راجے جو اس کی جانشینی کرتے آئے ہیں واقعی طور پر بہت سمن چلے۔ بہادر نیک نام اور ہمہ صفت موصوف ہو گذرے ہیں +

جامولوچن کے جانشین راجاؤں میں سے ایک کا نام دھرپ دیو تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام رنجیت دیو۔ دوسرے کا نام کشور دیو۔ تیسرے

نوٹ - جامولوچن سے مہاراجہ گلاب سنگھ تک جس قدر راجے ہو گذرے ہیں۔ اُنکا ذکر اس مختصر سی کتاب میں کرنا بہت مشکل ہے۔

کا نام صورت سنگھ اور چوتھے کا نام بلونت سنگھ تھا +

رنجیت دیو اپنے باپ کے بعد اُس کا جانشین ہوا۔ ایک نامی راجہ ہو گذرا ہے۔ اور اُس کے دو بیٹے تھے۔ جن کے نام بجر دیو اور دلیپ سنگھ تھے۔ اُن میں سے رنجیت دیو کے بعد جموں کی گدی کو بجر دیو نے زینت بخشی +

بجر دیو لاولد تھا۔ اس واسطے اس کے بعد دلیپ سنگھ کا بیٹا جے سنگھ گدی پر بیٹھا +

دھرپ دیو کے دوسرے بیٹے کشور دیو کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام لابھہ سنگھ تھا +

میاں صورت سنگھ جو کہ دھرپ دیو کا تیسرا بیٹا تھا۔ تین لڑکوں کا باپ تھا جن میں سے ایک کو زور آور سنگھ۔ دوسرے کو میاں موٹا اور تیسرے کو میاں جھلا کہتے تھے۔ ان تینوں بھائیوں میں سے بڑے بھائی میاں زور آور سنگھ کا ایک لڑکا میاں کشور سنگھ تھا جو پیچھے سے راجہ کشور سنگھ کے نام سے نامزد ہوا ہے۔ اس راجہ کشور سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ ان میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ جو بانی اس ریاست کا اور سب سے بڑا لڑکا تھا۔ ۲۹ کاتک سمت ۱۸۴۹ بکرمی کو پیدا ہوا۔ دوسرا بیٹا راجہ دھیان سنگھ سمت ۱۸۵۳ بکرمی میں تولد ہوا۔ اور تیسرا لڑکا راجہ سوچیت سنگھ سمت ۱۸۵۸ بکرمی میں تولد ہوا +

مہاراجہ گلاب سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ جن میں سے بڑے کا نام میاں اودہم سنگھ اور چھوٹے کا نام میاں سوہن سنگھ (جو لاہور میں مارے گئے) تیسرے کا نام جو سب سے چھوٹے تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ تھا۔ جو راجہ سوچیت سنگھ کی متبنیٰ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے جانشین تھے +

۵

مہاراجہ گلاب سنگھ کا شجرۂ نسب

دھرپ دیو
سورت سنگھ
کشور دیو
رنجیت دیو
ولیل سنگھ
بجردیو
زور آور سنگھ
میان موٹا
میان چیلا
لابجہ سنگھ
نج سنگھ
راجہ کشور سنگھ
مہاراجہ گلاب سنگھ
میان ادہم سنگھ
راجہ سوچیت سنگھ
راجہ دہیان سنگھ
میان سوہن سنگھ
مہاراجہ رنبیر سنگھ
راجہ ہیرا سنگھ
راجہ جواہر سنگھ
راجہ موتی سنگھ
مہاراجہ پرتاب سنگھ
راجہ رام سنگھ
راجہ لچھمن سنگھ
راجہ امر سنگھ
راجہ بلدیو سنگھ
میان ہری سنگھ

۶

مہاراجہ دہیان سنگھ جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر اعظم تھے۔ اُن کے بھی تین بیٹے تھے۔ بڑے کا نام راجہ ہیرا سنگھ جو لاہور میں سکھوں کے ہاتھ سے مارا گیا اس سے چھوٹا راجہ جواہر سنگھ تھا جو سرکار انگریزی کے حکم سے انبالہ میں قیام پذیر رہا۔ اور ان دونوں سے چھوٹے راجہ موتی سنگھ صاحب تھے جنہوں نے ریاست پونچھ کی بنیاد رکھی۔ اور عرصہ دراز تک حکومت کر کے ملک بقا کی راہ پکڑی۔ اور اب اُن کے جانشین اُن کے اکلوتے بیٹے راجہ بلدیو سنگھ صاحب ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے دونوں بھائی ابتدا میں میان کہلاتے تھے۔ جو کوہستان جموں کے جموال راجپوتوں کا لقب ہے ✤

راجہ کشور سنگھ مع اپنے دو فرزندان راجہ دہیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کے ایک گانو میں رہتے تھے۔ جس کا نام اہل پور دیولیہ ہے۔ اور جموں سے ۵ میل کے فاصلہ پر جانب جنوب شرق ابتک موجود ہے۔ اس گانو میں اُن کی تھوڑی سی جاگیر تھی۔ جو گذارہ کے لئے مکتفی نہ تھی ✤

مہاراجہ گلاب سنگھ بچپن سے جموں میں میان موٹا کے پاس رہتے تھے لیکن سنہ ۱۸۱۰ء میں اُنھوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت اختیار کی۔ اور معہ اپنے چھوٹے بھائی کے گھوڑ چڑھوں میں بھرتی ہو کر متواتر ترقیاں حاصل کیں۔ اور اپنی اعلیٰ لیاقت جانباز بہادری اور نمایاں خدمات کے صلہ میں تینوں بھائی راجہ بن گئے۔ مگر راجہ دہیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی نسبت مہاراجہ گلاب سنگھ زیادہ خوش نصیب نکلے۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد لاہور میں پولیٹکل فسادوں کے اُٹھنے سے نوبت بہ شمشیر پہونچی۔ اور ایسی کشاکشی اور خونریزی ہوئی۔ کہ دونوں راجگان بھی کسی طرح اپنی جان عزیز کو نہ بچا سکے۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے صرف اپنی جان کو ہی نہیں بچایا بلکہ ایسا عروج حاصل کیا۔ کہ جس کا کسیکو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ ایک ایسے انقلاب عظیم کی حالت میں جبکہ مہاراجہ موصوف کے دونوں بھائی بھی مارے گئے

دو ڈوگرون نے بھی شہادت کی شربت پی لی - ایک بھتیجا بھی شہید ہوا - بلکہ اس گھر پھونک تماشہ کی آگ نے اور نہایت قیمتی اور واجب التعظیم اہلکارون کے سر پر بھی پانی پھیر دیا - مہاراجہ موصوف ہر ایک خطرہ سے صاف صاف بچ نکلے - اور اس جلتی آگ میں سے جس کے غضبناک شعلون نے کل پنجاب کو خاک میں ملا دیا - اُس کے جسم کو ذرہ بھی آنچ نہ لگنا صاف ظاہر کرتا ہے - کہ مہاراجہ موصوف کس دل اور دماغ کے آدمی تھے +

حق تو یہ ہے کہ یہ اُن کا ہی کام تھا - کہ ہر ایک خطرہ کو جہانتک ممکن ہوا - باتون ہی باتون میں ٹالا - اور جب کسی دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنیکی ضرورت پڑی - تو اُس کے وہ دانت کھٹے کئے کہ کیا کہنا ہے - کبھی زبان جادو بیان کی بلاغت سے کام لیا جاتا تھا - کہیں روپیہ کی تلوار سے دشمن کا پیٹ چاک کیا جاتا تھا - کیونکہ استادون نے کہا ہے - کہ دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ - کبھی تقریر خوش تدبیر سے وہ کام لیا - کہ جس کے آگے شمشیر زنی اور زرپاشی بھی ہیچ تھی - کیوقت آپ ایک فریق کے معاون اور دوسرے فریق کے مخالف ہو جاتے تھے - اور کبھی اگر مصلحت وقت دیکھتے تھے - تو دونون فریقین سے کنارہ کشی اختیار کر کے تماشہ دیکھتے تھے - غرضیکہ مہاراجہ صاحب موصوف جیسے صاحب اقبال تھے - ویسی ہی صاحب تدبیر بھی تھے -

---

مہاراجہ گلاب سنگھ کی پہلی بہادری

سمت ۱۸۵۱ بکری مطابق سنہ ۱۸۵۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اور شہرون اور قصبون کی دار و گیر کرتے ہوئے جمون پر بھی چڑھائی کی - لیکن ڈوگرون نے ایسا سخت مقابلہ کیا - کہ سوائے واپس لوٹ جانے کے اور کوئی بات نہ بن پڑی +

سمت ۱۸۶۴ بکری مطابق سنہ ۱۸۰۷ء میں اُس کو پھر جمون کی فتح کا شوق ہوا - اور کیبتعد سکھون کی فوج نے زیر کمان دیوان چند مصرا اور سردار حکمان سنگھ چمنی پھر جمون پر حملہ کیا - اور منہ کی کھائی - اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ صرف ۱۶ برس کے لڑکے تھے - تمام ڈوگرے میان موٹا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے اور مقابلہ کے لئے گمٹ کا دروازہ پسند کیا - جہان میان موٹا معہ اپنی راجپوت بہادرون کے چلا گیا - اُدہر سے سکھ بھی آ گئے - اور جنگ شروع ہو گیا جس میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی مردانگی کے خوب جوہر دکھائے - تلوار چلنے کی ہی دیر تھی - کہ اُس نے بیخوف ہو کر آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے شروع کر دے - اور تلوار سونتکر اس تیزی اور تندی سے سکھون پر جا پڑا کہ جسطرح کوئی شیر گرجکر بکریون اور بھیڑون کے گلے پر جا پڑتا ہے - جس طرف للکار کے وہ حملہ کرتا تھا - اُس طرف سے سکھ بھاگ نکلتے تھے - اور میدان خالی ہو جاتا تھا - تین چار سکھون کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے دیکھتے ہی دیکھتے مولی کیطرح کتر ڈالا - اب کس کی طاقت تھی - کہ آگے کو بڑھتا یا ایسے تند حملہ آور پر حملہ کرتا - سکھون کے چھکے چھوٹ گئے - کل فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی - تمام سکھون کی نظر اس ہونہار لڑکے کیطرف تھی - دشمن بھی اُسکی بہادری کی داد دینے لگے +

اس جنگ میں ڈوگرے اس طرح سے جان توڑ کر لڑے - کہ سکھ لوگ حیران ہو گئے - اُدہر میان موٹا نے کچھ روپیہ بھی خرچ کیا - اور لوبجان دونون لٹون

کے جلد صلح ہوگئی - مگر دیوان چند مصر جو خود ایک لاثانی بہادر سردار تھا - مہاراجہ
گلاب سنگھ کی دلاوری دیکھکر یہان تک خوش ہوا کہ لاہور میں پہونچکر اُس نے
اُس ہونہار اور جانباز راجپوت لڑکے کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس اَز حد تعریف کی
اور کہا کہ ڈوگرہ فوج میں اُس کو ایک ایسا راجپوت لڑکا نظر آیا کہ جو اُس کے سونہہ
چڑھتا تھا - اُس کو میدان اجل میں دے مارتا تھا +

مہاراجہ گُلاب سنگھ کا میان موٹا سے جدا ہونا

مہاراجہ گلاب سنگھ بچپن سے ہی اچھے سوار تھے - اور زین سواری کے بہت شائق تھے
لیکن جب سوار ہو جاتے تھے - گھوڑے کو ایسا سرپٹ دوڑاتے تھے - کہ پھر
پست و بلند کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے +

اس جنگ کو جو اُن کی شہرت کا باعث ہوا - ابھی بہت کچھ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ایک
دن وہ سوار ہوئے جموں کی زمین پتھریلی تو تھی ہی - گھوڑے کو اس قدر دوڑایا -
کہ وہ ادھموا ہو کر لنگڑانے لگا - ایسی حرکتیں انہوں نے اس سے پیشتر بھی بارہا
کی تھیں - اور میان موٹا چشم پوشی کرتا رہا - لیکن اب کی دفعہ اُس نے کچھ سخت و
سست کہا - بس پھر کیا تھا - نوجوان مہاراجہ جوش میں آ گئے - اور فوراً بستر بوریا
باندھکر سفر کی ایسی تیاری کر دی - کہ میان موٹا کے پاس نہ رہنے کی قسم کھالی +

یہ تو مہاراجہ گلاب سنگھ کو معلوم ہی تھا - کہ شیر پنجاب اُس کی تعریف سُن چکے
ہیں - اس واسطے سیدھا لاہور کا ہی رخ کیا - اور فقیر عزیز الدین سے جا ملے -
اور آمد و رفت کا سلسلہ جیسا کہ امیدواروں کا قاعدہ ہے چندے جاری رکھا
مگر یہ فقیر جو کہ دراصل ایک بڑا امیر کبیر تھا - اور جس کے دروازوں پر اس قسم
کے امیدواروں کا کوئی شمار ہی نہ تھا - اس خستہ حال ڈوگرہ راجپوت کی

کیا پرواہ کرتا +

دو تین ماہ تک تو مہاراجہ گلاب سنگھ فقیر عزیز الدین کے پاس آمد و رفت کرتے رہے -
لیکن جب مطلب براری کی کوئی صورت نظر نہ آئی - تو لاچار آنا جانا چھوڑ دیا - اسی ضمن
میں اُس کو معلوم ہوا - کہ شاہ شجاع کابل میں فوج کی بھرتی کر رہا ہے - پھر کیا تھا -
فوراً کابل جانے کی ہی تیاری کر دی - اور معہ چند ہمراہیوں کے روانہ ہو پڑے - دریائے
اٹک کے کنارے تک تو سب بخیریت تمام خوشیاں مناتے پہونچے - لیکن اب آگے
کون جاوے - ساتھی سرکش ہو گئے - آگے ساتھ دینے سے انہوں نے صاف
انکار کر دیا - کوئی بولا کابل مسلمانوں کا ملک ہے - کسی نے کہا کہ اٹک سے پار جانا
شاستروں میں منع ہے - ایسی حالت میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو مجبور ہو کر واپس لوٹنا
پڑا - اور جہلم میں پہونچکر قلعہ ملول کے سپاہیوں میں بھرتی ہو گئے - یہ قلعہ جہلم
کے بالکل قریب ہے - مگر یہان کا آب و دانہ بھی چندان نصیب نہ تھا - اس
واسطے اس قلعہ کے سپاہیوں کے ساتھ کچھ ایسی ان بن ہو گئی - کہ یہان کی
ملازمت ترک کر کے بھمبر کے راجہ سلطان خان کے پاس پہونچے - اُس نے انکو
قلعہ کوٹلی میں بھرتی کر دیا +

ادھر اب میان موٹا کی کیفیت سُنئی - اُس نے مہاراجہ موصوف کو بچپن سے پالا تھا
اور گو مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے اس فرشتہ خصلت بزرگوار سے روٹھ کر دیس
بدیس سفر کر رہا تھا - لیکن میان موٹا کی پدرانہ شفقت بدستور جوش زن تھی - جب
سے مہاراجہ گلاب سنگھ اس کے سایہ سے نکلکر آفتاب کی طرح مسافرانہ حرکت میں
تھا - تب سے اُس کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے کوچ اور مقام کی مفصل خبریں
پہونچا کرتی تھیں - حتی کہ جب وہ کوٹلی میں پہونچا - تو میان موٹا نے ایک میان
کو جس کا نام میان ہوشیارا تھا - اُس کے پاس بھیجا - کہ روٹھے ہوئے مہاراجہ
کو منا لاوے - میان ہوشیارا نے کوٹلی میں پہونچکر جوشیلے مہاراجہ کو بہت کچھ سمجھایا
اور اُس کے سمجھانے سے اُن کی طبیعت پر بہت کچھ اثر بھی ہوا - مگر مہاراجہ موصوف

ایسے ہٹ دھرمی تھے۔ کہ جموں جانے سے قطعی انکار کر دیا۔ البتہ اپنے باپ کے پاس اسماعیل پور دیوالیہ میں چلے گئے۔ جہاں کچھ دنوں کے بعد اون کی اور راجہ دھیان سنگھ کی شادیاں ہو گئیں +

میاں موٹا کا مارا جانا اور اُس کے قاتلوں سے مہاراجہ موصوف کا انتقام لینا

شادی ہونیکے بعد پھر مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملازمت کا شوق پیدا ہوا۔ اور راجہ دھیان سنگھ نے بھی اوسکا ساتھ دینا چاہا۔ اب کی دفعہ کا سفر ایک اندھا دھند کوشش نہ تھی بلکہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر ایک مناسب تدبیر وغیرہ سے کام لیا گیا تھا۔ حتی کہ ان کے باپ نے اپنے گانو کے ساہوکار دولو شاہ سے ایک معقول رقم لیکر دونوں بیٹوں کو دو گھوڑے معہ زین وغیرہ سامان کے خرید دیے۔ بلکہ میاں موٹا سے بھی ایک سفارشی چٹھی بنام دیوان چند مصر لکھا دی اب کیا تھا۔ دونوں بھائی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے رشتہ داروں سے رخصت ہوئے۔ اور بڑی آن بان کے ساتھ لاہور پہونچے۔ جہاں وہ دیوان چند مصر کی خدمت میں حاضر ہوئے +

دیوان چند مصر کو یہ تو معلوم تھا۔ کہ بہادر گلاب سنگھ کس دل اور گروہ کا آدمی تھا۔ لیکن میاں موٹا کی سفارشی چٹھی نے سونے پہ اور بھی سوہاگے کا کام دیا۔ اسلئے پہلی ملاقات میں ہی وہ دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسی مہربانی سے پیش آیا۔ کہ خاطر تواضع کی رسم بجالانے اور ڈیرہ کرانیکے بعد اُس نے اُن کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حضور میں پیش کراکر دونوں بھائیوں کو دربار میں حاضر باشی رہنے کی اجازت دلادی۔ اور گذارہ کیواسطے فی کس تین تین روپیہ فی یوم بھی مقرر کرا دے۔

اب دونوں بھائیوں کے نصیب جاگے۔ تھوڑے سے عرصہ کی آمد و رفت اور حاضر باشی سے اُنہوں نے دربار کی نشست و برخاست اور تمام طور طریقے اس حد تک سیکھ لئے۔ کہ وہ پکے درباری بن گئے۔

۱۸۶۹ء مطابق سنہ ۱۸۱۲ء میں وہ میاں سنگھ کے رسالہ میں داخل کی گئے جہاں مہاراجہ گلاب سنگھ کی تنخواہ فی یوم چار روپیہ اور راجہ دھیان سنگھ کے پانچ روپیہ مقرر ہوئے۔ راجہ دھیان سنگھ کو ایک روپیہ زیادہ اسواسطے دیا گیا۔ کہ وہ ڈیل ڈول اور قد و قامت میں بہ نسبت اپنے بڑے بھائی کے زیادہ بانکا تھا۔ حتی کہ اُس نے اپنی مختصر حاضر باشی کے ایام میں اپنے پسندیدہ اطوار سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس حد تک خوش کر لیا تھا۔ کہ اُس کا چھوٹا بھائی راجہ سوچیت سنگھ بھی سنہ ۱۸۱۲ء میں طلب ہو کر ملازم کیا گیا۔ جو اُن دنوں صرف بارہ برس کی ہی عمر کا تھا +

اب ذرا میاں موٹا کی کیفیت سُنئے

یہ عقلمند اور بہادر میاں رانی بہندرال کے متوفی خاوند کا وزیر تھا۔ رانی مذکور جوش جوانی اور غرور حکومت سے دیوانی ہو کر چاہتی تھی۔ کہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر من مانی موجیں اڑا دے۔ جس سے اُس کی مختصر سی حکومت اور ننگ و ناموس کے خراب ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اس واسطے اس دیرینہ سال اور تجربہ کار وزیر کی پند و نصائح سے عاجز آکر اُس کی جان کی لاگو ہو گئی۔ اور میاں موٹا کے قتل کی ایک ایسی گہری سازش کی۔ کہ جب تک وہ بیچارہ مارا نہ گیا۔ تب تک اُسکو اس سازش کا بالکل کچھ خواب و خیال بھی نہ تھا +

جن دنوں مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ لاہور میں جاکر ملازم ہوئے انہی دنوں میں ایک دن میاں موٹا حسب معمول شام کیوقت محلات کو جا رہا تھا اور جیسے ہی وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ ویسے ہی دو نرائنیا خاندان کے راجپوتوں

نے جو چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ فوراً حملہ کیا۔ اور بیچارے بیخبر اجل رسیدہ میاں موٹا کو تہِ تیغ بیدریغ کیا۔ ان قاتلوں میں سے ایک کا نام میاں سوتہرو اور دوسرے کا نام میاں ترڈو تھا +

یہ وقوعہ سمت ۱۸۶۹ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۱۲ء کا ہے جس کے بعد میاں موٹا کے یہ دونوں قاتل لاہور کو چلے گئے۔ اور سنہ ۱۸۱۳ء میں ایک اور رسالہ میں ملازم ہو گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ لاہور میں آکر سوتہرو نے اپنا نام گوکل اور ترڈو نے دامودر سنگھ رکھا۔ اور یہ نام کی تبدیلی شاید انہوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کے بھائیوں کے خوف سے کی۔

میاں موٹا کے قتل ہو جانے کی کیفیت مہاراجہ گلاب سنگھ بھی سن چکا تھا۔ اور اسکو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ مقتول مذکور کے قاتلوں کو ان کی موت نے بہ بہانہ ملازمت لاہور میں پہونچا رکھا ہے۔ اس لئے اب انکو اپنے اس مقتول شدہ بزرگ کے خون کا انتقام لینے کی سوجھی۔ اور ایک خون کے بدلے دونوں قاتلوں کے خون کا پیاسا ہوا۔ یہ دونوں قاتل ایک مقررہ وقت پر روزمرہ بھاٹی دروازہ کو جانے کے عادی تھے۔ اور جس وقت یہ اجل رسیدہ دونوں میاں اس راستہ سے گذرا کرتے تھے۔ انتقام گیر مہاراجہ کو بھی اس کی ٹھیک خبر مل گئی۔ بس اب دیر ہی کیا تھی۔ ایک دن مہاراجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ مسلح ہو کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور بھاٹی دروازہ کو چل پڑے۔ اتفاق سے ادھر سے میاں موٹا کے یہ دونوں قاتل بھی آ نکلے۔ اور بھاٹی دروازہ کے باہر دوچار ہو گئے۔ بلکہ آپسمیں ان چاروں سواروں کی صاحب سلامت دعا بھی ہوئی۔ جس کے بعد ہر دو قاتل دروازہ کیطرف چلے گئے اور مہاراجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ بھی مصلحتاً اپنے خون آلودہ ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کیواسطے چند قدم آگے کو بڑھ گئے۔ جب ہر دو فریق کے درمیان اس طرح سے چند قدموں کا فاصلہ پڑ گیا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے چپکے سے

نوٹ - میاں موٹا کی سمادھ اب تک جموں میں اندرون ڈیوڑھی میں موجود ہے۔

اپنے گھوڑے کو لوٹا کر ہر دو قاتلوں پر وار کر دیا۔ دامودر سنگھ کا کام تو وہاں ہی تمام ہو گیا۔ گوکل سنگھ بھی کسیقدر زخمی ہوا۔ لیکن بھاگ نکلا۔ اور کہیں روپوش ہو گیا۔ اس قتل سے شہر لاہور میں سخت سنسنی پھیل گئی بلکہ مقتول جس رسالہ میں ملازم تھا۔ اس رسالہ کے سوار انتقام لینے پر تیار ہوئے مگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ موقعہ واردات سے روپوش ہو چکے تھے۔ آخر کار یہ معاملہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کانوں تک پہونچا۔ اُسنے مصر دیوان چند کی سفارش سے صرف یہ خون معاف ہی نہیں فرمایا بلکہ یہاں تک مہربان ہوا کہ یہ ارتکاب جرم ایک اعلیٰ قسم کی بہادری کا کارنامہ خیال ہو کر ہر ایک بھائی کو اس دن سے آٹھ آٹھ روپیہ یومیہ ملنے لگے +

راجہ سلطان کا قید ہونا

اکھنور اور مناور کے مابین جسقدر سرزمین ہے۔ یہ تمام علاقہ سلطان خان کے ماتحت تھا۔ اسکی سالانہ آمدنی اُسکو ۹ لاکھ روپیہ ہوتی تھی۔ یہ علاقہ چبال کا ایک حصہ ہے چبال کی آبادی زیادہ چبون کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرزمین کا نام چبال یعنی (چبہ آلہ) چبون کا گھر پڑ گیا۔ چبہ لوگ کانگڑہ کے چندربنسی راجاؤں کی اولاد میں سے ہیں اور بہت بہادر ہیں۔ انکی تاریخ الگ لکھی جائیگی۔ یہاں صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا۔ کہ چبون کا اخیر راجہ سلطان خان ہو گذرا ہے جسکا صدر مقام بھمبر تھا + سمت ۱۸۶۶ مطابق سنہ ۱۸۱۰ء میں دیوان چند مصر نے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک نامی گرامی سردار اور اکثر ملکوں کا فاتح تھا۔ ایک لشکر عظیم لیکر اس بہادر راجہ پر بھی چڑھائی کی۔ راجہ سلطان خان نے سخت مقابلہ کیا۔ مگر ایک کا علاج دو۔ سکھوں کی فوج بہت زیادہ تھی۔ اس واسطے دیوان چند مصر نے اسکا کچھ علاقہ چھین کر اسکے قریبی رشتہ دار راجہ اسماعیل خان کے سپرد کیا + سلطان خان بقول اسکے کہ دست نارسا پارسا۔ اس موقعہ پر اپنی

کمزوری اور بے بسی دیکھکر چپ ہو رہا۔ اور کچھ عرصہ تک اُس کمی کو جو اُسکی فوج میں بوجہ اس جنگ کے ہوئی تھی۔ درست کرتا رہا۔ پھر قلیل عرصہ تک اُس کے پر و بال یہانتک نکل آئے۔ کہ سمونت ۱۸۷ میں اُس نے پھر جنگ شروع کر کے راجہ اسماعیل خان کو مار ڈالا۔ اور جو ملک ہاتھ میں سے نکل گیا تھا۔ اس پر پھر قابض ہو گیا +

سکھ لوگ ہمیشہ بہانہ کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ اسماعیل خان کے مارے جانے نے انکو سلطان خان پر چڑھائی کرنیکا پھر موقعہ دیا۔ بہادروں کی چاندی ہوئی۔ تیاری جنگ اور انتظام گیری کے احکام جاری ہوئے۔ سکھوں کی فوج کے ایک ٹڈی دل نے کوچ کیا ادھر سلطان خان نے بھی مقابلہ کے لئے خوب تیاری کر رکھی تھی۔ اُس نے اپنی ساری فوج کو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جمع کیا۔ خالصہ جی کی فوج بھمبر میں رفتہ رفتہ داخل ہوئی۔ راستہ میں کسی نے روک ٹوک نہیں کی۔ مگر جب فوج مذکور اس پہاڑی کے نزدیک پہونچی۔ چبالیوں نے مقابلہ کیا۔ دونوں طرف سے سخت کشت و خون ہوا۔ اور بوجہ عمدہ موقعہ ہونے کے سکھوں نے تین متواتر شکستیں کھا کر یہان تک پست حوصلہ ہوئے۔ کہ سوائے پس پا ہونیکے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا +

ایک تواریخ میں لکھا ہے۔ کہ اس موقعہ پر سکھ لوگ آخر کار راجہ سلطان خان کو چالبازی سے گرفتار کر کے لاہور میں لیگئے۔ اور وہان سے انہون نے اُسکو جموّن میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بھیجدیا۔ لیکن یہ سراسر غلط معلوم ہوتا ہے۔ البتہ قیاس یہ چاہتا ہے۔ کہ جب سکھون کو سلطان خان نے متواتر تین شکستین دین۔ تو واپس جانے سے پیشتر انہون نے اُس کے ساتھ بطور ظاہرداری کے کسی قسم کی صلح ضرور کر لی تھی۔ اور چند سال کے بعد اُن کی فوج بارادہ فتح کشمیر بھمبر میں داخل ہوئی۔ اس موقعہ پر سلطان خان نے سکھون کو اپنے ملک میں سے راستہ دینے سے

انکار نہیں کیا۔ بلکہ بظاہر اُن کا دوست اور مددگار بنگیا۔ اور اندر خانہ فوج مذکور کی تباہی کے خیال میں پڑ گیا۔ سکھون کو یہ تو معلوم تھا ہی نہیں۔ کہ روانگی کشمیر کیواسطے کونسا راستہ عمدہ ہے اور کونسا راستہ خراب ہے۔ اس لئے سلطان خان نے سکھون کی اس بیخبری سے فایدہ اُٹھا کر اُن کا رہنما یا دوسرے لفظون میں یون کہو کہ انکا گمراہ کرنے والا بن گیا۔ اور اُن کی فوج کو ایک ایسی خطرناک پگڈنڈی کے راستہ لیگیا۔ کہ جس کے خاتمہ پر ایک بڑا بھاری پہاڑ کا ڈنڈا تھا اور اس ونڈے کے نیچے بہت عمیق پانی تھا۔ دن کے غروب ہونے پر سلطان خان نے اس اجل رسیدہ فوج کا مقام اسی ونڈے کے متصل کرایا۔ اس جگہ کا نام چھچھو بیر ہے۔ جب رات پڑ گئی۔ تو بکریون کے سینگون کے ساتھ چوب چراغ باندھکر اور اُن کو روشن کر کے فوج مذکور کے ڈیرے کیطرف ہانک دیا اور چند آدمیون نے کچھ بندوقون کے فیر بھی سکھون پر کئے۔ سکھون نے جب اسطرح بندوقون کی آواز بھی سُنی۔ اور ہزارون مشعلین بھی جلتی دیکھین۔ اُن کو یقین ہوا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ اور اس خیال سے ایسے گھبرا گئے۔ کہ بجائے مقابلہ کرنے کے جان بچانے کیلئے سب کے سب اُس ونڈے کیطرف بھاگ نکلے اور بوجہ بیخبری راستہ کے اور شب کی تاریکی کے اُس ڈنڈے سے گر کر خاصی تعداد تو پانی میں ڈوب مری۔ اور بیشمار سکھ اُن جنگل کے درختون میں جا چھپے۔ جو اُس ونڈے پر کثرت سے موجود تھے۔ گویا اسطرح سکھون کی تمام فوج سوائے کسی سامنہ جنگ کرنے کے خود بخود تباہ ہو گئی۔ سکھون نے اپنی فوج کی اس تباہی کا حال کہیں بھی درج نہیں کیا ہے۔ لیکن چبال میں اس بربادی کی واقفیت چھوٹے چھوٹے بچون کو بھی ہے۔ بلکہ اکثر اشخاص کا عقیدہ ہے۔ کہ چھچھو بیر کے جس مقام پر سکھ لوگ اس طرح دغا کے ساتھ تباہ کئے گئے تھے۔ وہان سے ہر جمعرات کو اب بھی مارو مارو کی آواز آتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ اکثر اشخاص کو اس موقعہ سے ٹوٹے پھوٹے جنگی ہتھیار بھی ہاتھ آجاتے ہیں +

معلوم ہوتا ہے کہ اس بربادی کے بعد سکھون نے پھر کوئی چڑھائی راجہ سلطان خان

پر نہیں کی۔ بلکہ اُن کو یقین آگیا کہ جب تک اس دغاباز راجہ کے ساتھ دغا نکیا جائیگا تب تک اُس کا قابو آنا مشکل ہے۔ اس لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کی تباہی کیواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایما کیا جنہوں نے راجہ سلطان خان کیساتھ برائے بہانہ دوستی لگائی۔ اور اپنی برائے نام دوستی کا اُس کو یہان تک یقین دلایا۔ کہ ایک مشورہ کے بہانہ سے ایک دن اُس کو جموں میں طلب کیا۔ چونکہ راجہ سلطان خان کا اقبال اوسکا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ اُس نے جموں کی روانگی کی تیاری کردی ۔۔ اور گو اُس کے وزیر برہان خان نے جو کہ نہایت دانا معاملہ فہم اور دور اندیش آدمی تھا۔ اُس کو بہت سمجھایا۔ اور اس خطرناک ارادہ سے باز آنیکی فہمایش کی۔ مگر اس بدنصیب راجہ کی کچھ ایسی عقل ماری گئی۔ کہ اپنے وفادار وزیر کی ایک بھی نہ مانی۔ اور جموں کو روانہ ہوگیا۔ جب سلطان خان جموں کی حدود میں داخل ہوا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ اُس کی پیشوائی کے واسطے تشریف لیگئے۔ بوقت ملاقات نہایت عزت سے پیش آئے۔ اور اپنے ساتھ اُس کو فیل سوار کراکر بہ بہانہ سیر کرانیکے قلعہ باہو میں لیگئے۔ جہان اُس کے قید بھگتنے کا سب انتظام پہلے سے ہی ہوچکا تھا۔ چنانچہ جسطرح سے سکھوں کی فوج کو اُس نے عالم بیخبری میں جچھ پیر میں تباہ کیا تھا۔ اوسی طرح سے وہ خود بھی حالت بیخبری میں ہی قلعہ باہو میں قید ہوگیا۔ بلکہ یہان اوس کی آنکھوں کی روشنی بھی اُس سے رخصت ہوئی۔ سلطان خان کی گرفتاری کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُسکے وزیر سے دریافت کیا۔ کہ اگر تم نمک حلال تھے۔ تو راجہ سلطان خان کو جموں آنے سے کیوں نہیں روکا۔ اُس نے اپنی جیب میں سے ایک تحریر نکالکر دی جسپر سلطان خان کے دستخط تھے۔ اور جس سے صاف ثابت ہوتا تھا۔ کہ سلطان خان برخلاف مشورے اپنے وزیر کے جموں آیا تھا۔ اس تحریر کو دیکھکر مہاراجہ گلاب سنگھ برہان خان پر از حد خوش ہوا۔ اور بلحاظ اسکی نمک حلالی اور قدردانی کے برہان خان کو پانسو روپیہ کی جاگیر بخشی۔ جو جاگیر بدستور اُسکے

جانشینوں کو ابتک ملتی ہے۔ برہان خان ساکن کہوری علاقہ چبال تھا۔ اور لال خان اور اوسکا پوتا گھوڑ چڑھوں میں ملازم ہے۔ برہان خان جموں میں بھی سلطان خان کے ساتھ آیا تھا۔ اُس نے سلطان خان کو بوقت روانگی از گجرات اور بوقت داخلہ جموں یعنے دو دفعہ منع کیا تھا۔ سلطان خان کے اسطرح قید ہوجانے سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہت خوشی ہوئی۔ اور بصلہ اس خدمت کے اُس نے سلطان خان کے علاقہ میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو چالیس ہزار روپیہ کی جاگیر دی۔ مگر گلاب نامہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ جاگیر راجہ دھیان سنگھ کو دی گئی تھی۔ جب راجہ سلطان خان اسطرح سے قلعہ باہو میں قید ہوا۔ تو اُس کے لڑکے نے قلعہ باہو میں سُرنگ لگا کر اُسکو بھگا لیجانے کے خیال سے قلعہ مذکور سے نکال لیا۔ لیکن سلطان خان پھر پکڑا گیا۔ اور بجائے قلعہ باہو کے قلعہ سلال میں بھیجا گیا۔ یہان ایک اور شخص رائے ڈہلا ساکن ریاسی بھی قید تھا۔ اسکے بیٹے نے اُس کے نکال لیجانیکے واسطے اس قلعہ میں سُرنگ لگائی۔ اور آخر پر قیدیوں میں شیرینی تقسیم کرنے کے بہانہ قلعہ میں داخل ہوکر اُس کمرے کو دیکھ آیا۔ جسمیں اُس کا باپ قید تھا۔ اور سُرنگ اُس کمرے میں پہونچائی۔
ان دنوں میں فیض طلب خان ولد سلطان خان نے اپنے مددگاروں کی مدد سے جنمیں علاوہ چبوں کے جرال بھی شامل تھے۔ اپنے باپ کے آزاد کرانے کیواسطے پونی بہارک میں جنگ کیا۔ لیکن جرال لوگ جاگیر پا کر اُس سے جدا ہوگئے۔ اور فیض طلب خان مغلوب ہوکر مفرور ہوا۔ جس کے بعد سلطان خان قلعہ سلال سے قلعہ ٹھیکیت میں لیجایا گیا۔ جہان آخرکار ایک عرصہ کے بعد اُسکی روح نے اُسکے جسم عنصری سے رہائی حاصل کی۔ اور قبر اُسکی چندر کوٹ میں ابتک موجود ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان خان نے اپنی موت سے پیشتر ایک کھتری کے ساتھ کچھ تعلق پیدا کرکے اُسکو وصیت کر رکھی تھی۔ کہ اوسکی قبر پختہ بنائی جائے کھتری مذکور نے اُس وصیت کے پورا کرنیکے واسطے مشہور کیا۔

کہ اوس کو سلطان خان خواب میں آتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اُسکی یہ بھی قبر پرو بار کہا جاوے۔ اُس نے یہ بھی مشہور کیا۔ کہ اُس نے دو دفعہ یہ خواب دیکھا تھا پھر قبر مذکور پر اول اُس نے چراغ رکھنا شروع کیا۔ اور ازان بعد پختہ قبر بنانیکے لئے مسالحہ جمع کیا۔ آخر کار راز افشا ہوگیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے وزیر پنّوں کو ہدایت کی۔ کہ بعد تحقیقات کے قبر کا بنایا جانا روکا جائے۔ چنانچہ وزیر پنّون نے تحقیقات کے بعد رپورٹ کی۔ اور کھتری مذکور پر آٹھ سو روپیہ جرمانہ ہوا۔

سلطان خان کی گرفتاری کے بعد سکھوں نے راجہ اغرخان اور عظمت اللہ خان والیان رجوری پر حملہ کرنے شروع کردے معلوم ہوتا ہی کہ راجہ اغرخان اور عظمت اللہ خان کو سکھوں نے ماتحت بنا کر اُن کا کل یا جزوی علاقہ اُن کو واپس دیدیا۔ اور ہردو راجگان لاہور میں آمدورفت کرتے رہے جسکے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کشمیر کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ اور راجہ عظمت اللہ خان نے لاہور میں امداد دیکر اور کشمیر کو فتح کرا دینے کا اقرار کیا۔ لیکن جب سکھوں کی فوج بہ ارادہ فتح کشمیر رجوری کے قریب پہونچی۔ تو اغرخان اور عظمت اللہ خان کے ایک دوراندیش کشمیری مشیر نے اُن کو مدد دینے سے روکا اور کہا۔ کہ اگر سکھوں کی عملداری کشمیر میں ہوجائگی۔ تو پھر تم کو نہ کشمیر کے چاول نصیب ہونگے نہ یہاں آرام کے ساتھ بیٹھ سکوگے۔ بلکہ سکھ لوگ ہمیشہ اسی راستے سے چلکر تمہاری چھاتی پر مونگ دلا کرینگے۔ کشمیری مذکور کی اس تقریر سے ہردو راجاؤں کی آنکھیں کھلیں۔ بجائے مدد دینے کے سکھوں کی فوج کو گمراہ کرکے تباہ کیا۔ جس پر سکھوں نے انتقام گیری کے لئے رجوری پر حملہ کیا۔ اور راجہ اغرخان اور عظمت اللہ خان نے جب دیکھا کہ نہ تو وہ سکھوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ نہ اُن کے ہاتھ سے اپنے جان و مال اور عزت کو بچا سکتے ہیں۔ تو لاچار ہوکر اپنے ملک کو خیرباد کہکر شمال کیطرف چلے گئے۔ اور شمال کے اُن پہاڑون

میں جبکہ ہنوز سکھوں کو کوئی علم ہی نہ تھا۔ جا چھپے۔ اور وہاں سے انہوں نے سکھوں پر چھاپے مارنے شروع کردے۔ اور ایسی لوٹ مار مچائی کہ سکھوں کا ناک میں دم آگیا۔ جہاں جو سکھ نظر آتا تھا۔ اُس کو وہ مار کر اُس کا مال و اسباب لوٹ لیجاتے تھے۔ سکھوں نے ان ہردو راجاؤں کے ملک پر قبضہ تو آسانی سے کرلیا تھا۔ لیکن حکومت کا قایم رکھنا بہت مشکل ہوگیا۔ نہ کوئی کاردار کارروائی کرنیکی جرات لاتا تھا۔ نہ مالیہ ہی وصول ہوتا تھا کیونکہ جو سکھ مفصلات میں کسی کام کیواسطے جاتا تھا۔ اوسکا کام ہی تمام ہوجاتا تھا +

ایسی حالت میں سکھوں نے راجہ عظمت اللہ خان جسکو بعض مورخین نے غلطی سے عزیز خان لکھا ہے۔ اور اغرخان کی گرفتاری کیواسطے بھی بہت منصوبے کئے۔ لیکن کوئی تدبیر موافق نہ پڑی۔ اور دونوں راجاؤں کے حوصلہ بہت بڑھ گئے۔ بلکہ اگر انکی ماردھاڑ چندے اسیطرح جاری رہتی تو ضرور تھا کہ وہ سکھوں سے اپنا ملک لاٹھی کے زور سے واپس لے لیتے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پہلے تو یقین تھا کہ اُس کے کاردار ان دونوں راجاؤں کو کسی نہ کسی حکمت سے ضرور گرفتار کرلینگے۔ لیکن جب اُس نے دیکھا۔ کہ کارداران مذکور بالکل عاجز آگئے ہیں۔ اور بدعملی اور لوٹ مار دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ تو لاچار ہوکر راجہ اغرخان اور عزیز خان کی گرفتاری کا حکم بھی مہاراجہ گلاب سنگھ کو ہی لکھا +

یہاں دیر کیا تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس حکم کے وصول ہوتے ہی اکھنڈہ میں جا ڈیرہ لگایا۔ اور اس مقام سے گرد و نواح کے زمینداروں کے ساتھ خط و کتابت اور نامہ پیغام شروع کرکے اپنا میل ملاپ بڑھایا۔ اور ملکی حالات سے واقفیت حاصل کرکے ایسا منصوبہ چلایا۔ کہ تھوڑے دنوں کے بعد ہی زبردست خان والی نار نے اغرخان کو گرفتار کرکے قاسم بیگ کی حراست میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس مقام اکھنڈہ

میں پہونچایا۔ چند روز کے بعد ایک اور زمیندار نے راجہ عظمت اللہ خان کو بھی
گرفتار کر کے امرگڈہ میں بھیجدیا ✤

انہی دنون کی بات ہے۔ کہ ایک دن مہاراجہ گلاب سنگھ ان سرکش راجاون
کی گرفتاری کے منصوبے باندھتا باندھتا جب تھنہ میں داخل ہوا۔ تو یہان
ایک فقیر کے تکیہ پر جسکا نام خیر اللہ شاہ تھا پہونچا۔ اور اُس سے ملاقات کی۔
فقیر بہت مہربانی سے پیش آیا۔ بلکہ چند خوبانیان جو اُس کے پاس پڑی ہوئی
تہیں۔ کمال مہربانی سے اوٹھاکر مہاراجہ گلاب سنگھ کو اپنے ہاتھ سے دیدین۔
اور ہنستے ہنستے اپنی زبان سے یہ کلمہ فرمایا۔ کہ اے گلاب سنگھ اگر یہ تمام پہاڑ
جو تمہارے چارون طرف ہیں۔ تمکو مل جائیں۔ تو اس فقیر کو کیا دلاو گے ✤
مہاراجہ موصوف نے جسکو اس بات کا نہ کوئی خواب و خیال تھا۔ اور نہ اس حد
تک ترقی پانے کی کوئی امید تھی۔ جواب دیا کہ اگر تمہاری بات درست
ہو جائے۔ تو جسقدر اراضی اسوقت تمہارے قبضہ میں ہے۔ اوسکا لگان
معاف کر دیا جائیگا۔ اور پشت در پشت وہ اراضی تمہاری اولاد کی جاگیر
سمجھی جائیگی ✤

خیر اللہ شاہ نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے اوسیوقت ایک اقرار نامہ لکھوالیا۔ اور
کہا کہ ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ جب تم اس تمام کوہستانی ملک کے خودمختار
مہاراجہ بن جاوگے۔ چنانچہ پیچھے سے ایسا ہی ہوا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ
نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا۔ حتیٰ کہ وہ معافی اور اقرار نامہ اس فقیر کے وارثون
کے پاس ابتک موجود ہے ✤

سُدہنون کی بغاوت اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی لشکر کشی

راجہ سلطان خان کی گرفتاری کے بعد سکھون نے جسقدر ملک اس گرد و نواح
میں فتح کیا۔ اوسکا انتظام سردار لال سنگھ کے سپرد ہوا جو پیچھے راجہ بنگیا۔

لیکن سردار لال سنگھ سے کچھ تو بوجہ جبر الون اور چھون کی متواتر سرکشیون کے
اور کچھ بوجہ اس امر کے کہ سردار لال سنگھ کو راجہ دہیان سنگھ کا سر کردہ تھا۔
لیکن پیچھے سے اُس کی راجہ دہیان سنگھ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ سخت
مخالفت ہوگئی تھی. بوجہ جسکے مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اُس کی حکومت چلنے نہ دی
اس لئے اُس ملک کا انتظام نہ ہوسکا اور اُس کی بدنظمی دیکھکر مہاراجہ رنجیت سنگھ
نے اس علاقہ کا انتظام راجہ دہیان سنگھ کے سپرد کیا۔ اور راجہ صاحب نے کور
نے اس علاقہ کی حکومت دیوان کشن گوپال کے سپرد کی۔ جو مہاراجہ گلاب سنگھ
کا ایک اہلکار تھا۔ دیوان کشن گوپال کی تبدیلی کے بعد اُسکی جگہ دیوان لابھ رام
مقرر ہوا۔ اور اُس کا مشیر پوچھ کا ایک زمیندار بنایا گیا۔ جسکا نام شمس سودہن
تھا۔ یہ شخص راجہ صاحب موصوف کی مونچھ کا بال بنا ہوا تھا۔ اُن
کی دانست میں ایک نہایت شریف دور اندیش اور نمک حلال آدمی تھا ✤
لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ شمس سودہن کو اچھا آدمی نہیں جانتے تھے۔ نہ
انہون نے اُس کے تقرر سے اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا تھا۔ بلکہ وہ اس تقرر کو
ایک خطرناک کارروائی تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ پیچھے سے سچ مچ ایسا ہی
ثابت ہوا ✤

ابتدا میں تو شمس الدین سودہن نے اپنا اعتبار بخوبی جمایا۔ اور ہر ایک کارروائی
میں خوب نام حاصل کیا۔ مگر جون جون اُسکی طاقت بڑھتی گئی۔ تون تون
اوسکے دل میں ایک قسم کی خودسری اپنی جگہ کرتی گئی۔ اور آہستہ آہستہ نوبت
یہان تک پہونچی۔ کہ اُس نے ایک گہری سازش کی بنیاد رکھکر فتنہ و فساد
اور بغاوتین کرانی شروع کردین۔ اور آخر کار ایسا بیخود۔ بیخوف اور خودسر ہوگیا۔
کہ اُس نے کل علاقہ کی حکومت برملا طور پر اپنے ہاتھ میں لیکر متعینہ قلعہ گیر
فوج کو بھی ملک سے نکالدینا چاہا۔ حتیٰ کہ بیشمار جنگ و جدل اور کشت و خون
کے بعد اُس نے قریباً تمام قلعون کو قلعہ گیر سپاہیون سے چھوڑوا کر ان پر

اپنا قبضہ کر لیا۔ اور قلعہ گیر فوجون کو مار بھگایا۔ ہندون سے اس ظالم اظلم کو از حد نفرت تھی۔ بلکہ اُن کا یہانتک تشنہ خون تھا۔ کہ جو ہندو اُس کے ہتھے چڑہا اُس کو بڑے عذابون سے قتل کیا۔ اکثر ہندون کو اُس نے بھوکہا پیاسا رکھا۔ اور قتل کرنے سے پیشتر اُن کو اس نے وہ گوشت کہلایا۔ کہ جسکی ہندو لوگ قسم کہاتے ہیں۔ یا جس جانور کی وہ بہت تعظیم کرتے ہیں۔ اُس نے اُن کو اُسی کا گوشت کہلایا۔ اس دیو لعین کو عورتون یا بچون پر بھی رحم نہ آتا تھا۔ جو ہندو عورت یا بچہ اُس کے قابو آیا۔ اُس کو بھی کمال بے رحمی کے ساتھ تہ تیغ بیدریغ کیا ✣

حتی کہ اس شیطان مجسم بنی نوع کے دشمن نے حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کرا کر اُن کے جنین بھی مروا ڈالے۔ حق تو یہ ہے۔ کہ شمس الدین لعین نے کشت و خون اور مذہبی تعصب میں نادر شاہ۔ محمود شاہ۔ سکندر بت شکن اور اورنگ زیب کو بھی مات کر ڈالا۔ اس کے شور و شر سے تمام خلقت کانپ اوٹھی۔ تمام علاقہ میں سخت ہل چل اور خونریزی کا بازار گرم ہوا۔ اور ہر ایک کوچہ و بازار اور شہر و دہ میں کشت و خون جاری کر دیا۔ خصوصاً کوٹلی کے علاقہ میں سخت دہاڑے مارنے لگا ✣

شمس نے تمام قلعون کو تو فتح کر لیا تھا۔ لیکن پونچھ کا قلعہ اُس سے سر نہ ہو سکا جسکا باعث یہ تھا۔ کہ اس قلعہ کا افسر ایک نہایت سوربیر (بہادر) مستقل مزاج اور مرنے اور مارنے والا شخص تھا۔ اس بہادر راجپوت کا نام میان بشنا تھا ✣

آخر کار بکرے کی مان کب تک خیر مناتی۔ دیوان دلباغ رائے اور میان بشنا اپنی جانب سے راجہ دہیان اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس شمس بد ذات کی بد حرکتون۔ شرارتون اور بدمعاشون کی رپورٹین متواتر اور لگاتار بھیجتے رہے تھے۔ جن مین مفصل حالات درج تھے۔ ان حالات کو سنکر

بالاحکام کی عقل چکرائی اور سخت حیرت ہوئی ڈوگرہ قوم میں بیطرح جوش پھیلا۔ اب دیر ہی کیا تھی۔ میان اودہم سنگھ اوس کی سرکوبی کے لئے ایک مہم تیار کرنے کے لئے کوٹلی میں بھیجے گئے۔ چند یوم کے بعد میان لابہہ سنگھ اور میان نور آور سنگھ کہلوریہ بھی اُس کے پاس پہونچے۔ اور عرصہ قلیل میں فوج میں نئی بہرتی ہو کر شمس کے برخلاف اس مہم نے چڑھائی شروع کر دی۔ مقول کرنیل رنگ خان صاحب جن کے بزرگ ان جنگون میں شامل تھے۔ جنگون کی ابتدا سر سادہ واقعہ چہبہ پہاڑی متصل پرجب کی باندے کے ہوئی۔ اور شمس نے یہان میان بشنا کو تین متواتر شکستین دین۔ اس کے بعد کوٹلی سے مہم پہونچی ✣

اور شمس کو یقین ہو گیا۔ کہ اُس کے بُرے دن آ گئے۔ اور اب عنقریب اوسکا خاتمہ ہونیوالا ہے۔ تاہم مرتا کیا نہیں کرتا۔ اُس نے ایک دزد دلیر کی طرح چالبازیان کر کے گیدڑ بھبکیان دینی شروع کین۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایک عرضی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا۔ کہ جو مہم آ رہی ہے۔ اُسکو واپسی کا حکم دیا جائے۔ اور یقین رکھا جائے۔ کہ اگر فوج مذکور واپس ہو جائیگی۔ تو اُسکو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا جائیگا۔ بصورت دیگر کسی تنگ راستہ میں روک کر تباہ کیجائیگی۔ شمس نے یہ دہمکی آمیز رعایت تو اچھی کی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اُس کی اس رعایت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ یا یون کہا جائے۔ تو بہتر ہے۔ کہ شمس مذکور کی اس گیدڑ دہمکی کا مہاراجہ صاحب کی طبیعت پر کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ مہم مذکور نے سرعت کے ساتھ کوچ اور مقام کرتے ہوئے دریائے جہلم کو سوائے کسی قسم کی مزاحمت کے عبور کر لیا۔ اور تمام علاقہ میں سے گشت کرتے ہوئے دہڑا دہڑ قلعہ منگ میں داخل ہوئی۔ بلکہ مہم مذکور کے قلعہ منگ میں داخل ہونے پر مہاراجہ صاحب بھی بذات خاص تشریف لا کر داخل مہم ہوئے

اور مفسدہ پرداز باغیوں کی گرفتاری کے لئے کمال ستعدی سے کوشش کرنے لگے + اکثر اشخاص دہمکائے گئے۔ بعضوں کو انعام دیا گیا۔ کہیں روپیہ خرچ کیا گیا۔ بعضوں کو مختلف اُمیدیں دلائی گئیں۔ لیکن فایدہ کچھ بھی نہوا۔ کیونکہ شمسا معہ دیگر باغیوں کے کہیں ایسا جا چھپا کہ پتہ لگانا مشکل ہو گیا +

آخرکار سب سے پہلے سبز علی اور ملہی سودہن گرفتار ہوئے۔ یہ دونوں اجل رسیدہ شمسا کے یار غار اور اس بغاوت کے مشیر اعظم تھے + جیسی سخت ان دونوں نے ملک میں خرابی پیدا کی تھی۔ ویسی ہی سخت ان کو سزا بھی ملی۔ دونوں کا چمڑا اوتار گیا۔ اور اُن کے چمڑے بہوسہ سے پُر کر کے درختوں سے لٹکائے گئے۔ تاکہ اوروں کو عبرت ہو +

جس وقت ملہی کا چمڑا اُترتے اُترتے گلے تک اُتر گیا۔ تو اُس نے التجا کی۔ کہ اُس کی عورت اور بچے طلب ہو کر اُس کو اُن کی اخیر ملاقات کرائی جائے۔ لیکن ایسے اشخاص سے جنکی بدولت بیشمار مقصور زن و بچوں نے اخیر ملاقات موت کے فرشتہ سے کی تھی رحم کون کرتا۔ جب ملہی کی یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ تب اُس نے دوسری خواہش یہ ظاہر کی۔ کہ اُس کے زن و بچوں کی جان بخشی کی جائے اور اونکو پناہ دیجائے۔ اُس کی یہ التجا قبول ہوئی +

جب شمس الدین سودہن کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تو اخیر تدبیر یہ عمل میں آئی۔ کہ کل فوج دو حصوں میں منقسم ہوئی۔ ایک حصہ کو لیکر خود مہاراجہ صاحب اور میان اودہم سنگھ صاحب تحصیل باغ میں مصروف تلاش ہوئے۔ دوسرے حصہ نے زیر کمان میان زور آور سنگھ کلہوریہ اور میان لابہ سنگھ کل پسماندہ علاقہ چھان مارا۔ اور واپس آنے پر میان زور آور سنگھ نے یہ رپورٹ کی کہ شمس الدین کو راجہ شیر بار خان پدر راجہ شیر انداز خان والئے سدہونیہ نے پناہ دے رکھی ہے +

اس خبر کے موصول ہونے پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک حکم راجہ شیر بار خان کے

پاس تحریری طور پر بدیں مضمون بھیجا۔ کہ شمس الدین سودہن کو گرفتار کر کے فوراً بھیجدو۔ ورنہ تم پر لشکر کشی کیجائیگی +

اس حکم کے پہونچنے کی ہی دیر تھی کہ اُس راجہ کا پیشاب خطا ہوا۔ اور ڈرتے ڈرتے یہ درخواست کی۔ کہ حکم کی تعمیل بسر و چشم کیجائیگی۔ لیکن ایک فوج کا دستہ میری امداد کے لئے بھیجا جائے +

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُس کی درخواست منظور کی۔ اور کسیقدر فوج اُس کے پاس بھیجدی جس کی امداد سے راجہ شیر یار خان نے آخرکار شمس الدین سودہن کو معہ اُس کے بھتیجے راجولی کے ایک دن گرفتار کیا۔ اور دونوں مجرمان بدضمیر کے سر کاٹ کر مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بھیجکر اُس کے عتاب سے خلاصی پائی۔ شمس الدین کے اس طرح مارے جانے کے بعد ملک میں امن ہو گیا۔ اور تمام شرارتوں کا خاتمہ ہوا +

میان ڈیڈو کی لوٹ مار اور اُس کا مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ سے انجام کار

میان ڈیڈو ایک بڑے بہادر راجپوت کا نام تھا۔ جس کو زمانہ حال کے زن و بچے بھی علاقہ جموں میں جانتے ہیں۔ یہ جموں کے گرد و نواح میں موضع جگٹی میں رہتا تھا سمت ۱۸۶۷ مطابق ۱۸۱۰ء تک اس شخص سے کسی قسم کی خود سری ظاہر نہ ہوئی۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد ہی اُس کے بگڑنے کا یہ باعث ہوا۔ کہ سنہ ۱۸۱۱ء مطابق سمت ۱۸۶۸ میں ترکٹا دیوی کے پہاڑ سے اُس نے ایک باز پکڑا۔ اور حکم یہ تھا۔ کہ جو شخص باز پکڑے وہ اُس باز کو جموں میں لا کر پیش کرے +

جیت سنگھ جو جموں کا اخیر راجہ تھا۔ اُس کے فوت ہو جانیکے بعد جموں میں سمت ۱۸۶۶ مطابق ۱۸۰۹ء سے سکھوں کا تسلط ہو گیا تھا۔ اور جسوقت

یہ باز پکڑا گیا تھا۔ اُس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جانب سے جموں میں جمعدار خوشحال سنگھ کے کاردار حکومت کرتے تھے +

میان ڈیڈو کے پاس جموں سے بارہا یہ حکم طلبی آئی کہ جو باز تم نے پکڑا ہے اُس کو پیش کرو۔ لیکن اس باز میں خدا معلوم ایسا کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا تھا۔ کہ میان ڈیڈو نے ان طلبیوں کے مطلق پرواہ نہ کی +

جب جموں کے سکھ سرداروں نے دیکھا۔ کہ ڈیڈو اُن کے احکاموں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ لاچار وہ بھی سکھا شاہی پر اُتر آئے یعنی ایکدن ۱۳ جوانوں کی گارڈ اسکو معہ اُسکے باز کے گرفتار کر لانیکے واسطے روانہ کی گئی +

گارڈ مذکور جب ڈیڈو کے گھر پہونچی۔ ڈیڈو اُس وقت گھر میں تھا۔ اور سوائے کسی قسم کا اندیشہ کرنے کے گارڈ والوں کے پاس برابر چلا آیا۔ جب گارڈ والوں نے اُس کو حکم دیا۔ کہ خیریت منظور ہے۔ تو جو باز پکڑا ہے۔ اُس کو چلکر جموں میں پیش کرو۔ ڈیڈو نے پہلے تو اُن کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کیا لیکن پیچھے سے کچھ سوچ ساچ کر اون کے ساتھ چل پڑنے پر رضامند ہوا +

اب میان ڈیڈو مہمانوازی کرنے لگے۔ آٹا۔ چاول۔ دال وغیرہ نذر کئے اور بہت عاجزی سے عرض کی۔ کہ رسد موجود ہے۔ کھانا پکا کر نوش کیجئے جب تک آپ لوگ کھانا کھا کر فارغ ہونگے۔ میں بھی سفر کی تیاری خاطر خواہ کرلونگا۔ سکھ لوگ اُس کی مہمانوازی سے خوش ہوئے۔ اور ہتھیار اوتار کر کھانا پکانے میں مصروف ہوئے +

ڈیڈو نے اس وقفہ میں اپنی عورت اور باز کو جنگل کے طرف روانہ کر دیا۔ اور اسلحہ سے فارغ ہوکر جس وقت اچھا موقع دیکھا۔ تلوار سونت کر سکھوں پر جا پڑا۔ اور انکو وہ دال چاول کھلائے۔ کہ ۱۲۔ سکھ تو کھیت رہے اور ترہوان سکھ جان بچا کر بھاگا۔ میان ڈیڈو اور باز کی یہ خبر لیکر جموں پہونچا +

اس واردات کے بعد میان ڈیڈو جنگل میں اپنی عورت کی پاس چلا گیا اور

بدوش ہوکر جنگل بجنگل پھرنے لگا۔ بلکہ اُس نے سچ ڈاکو بن کر لوٹ مار کرنی شروع کردی۔ لیکن میان ڈیڈو وطنی لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا تھا۔ البتہ سکھوں کو اپنے ملک کا غاصب سمجھتا تھا۔ اسی خیال سے وہ اُنکا جانی دشمن تھا۔ اور اُن کو ہر ایک قسم کا نقصان پہونچاتا تھا۔ عجب نہیں ہے کہ اوسنے باز کے نہ دینے کا بہانہ کر کے سکھوں کے برخلاف سرکشی بھی اسی خیال سے کی ہو۔ کہ ملک کو غاصبوں سے خلاصی حاصل ہو +

گارڈ مذکورہ بالا کے مارے جانے کے بعد سکھ لوگ اُس کے برخلاف مسلسل طور پر اپنی فوج کے دستے بھیجتے رہے۔ لیکن میان ڈیڈو کسی سکھ کے قابو نہ آیا بلکہ جو شخص فرداً یا جماعتاً اُس کے دنبال آیا۔ اوس کی شمشیر خونخوار کا شکار ہوا + میان ڈیڈو موقع تاڑ کر ایسا حملہ کرتا تھا کہ جو اُس کے شکار کھیلنے کیواسطے آتا تھا۔ اُلٹا اُس کا شکار بن جاتا تھا۔ بلکہ جو کچھ اُس کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ مال و متاع بھی میان ڈیڈو کے قبضہ میں آجاتا تھا +

میان ڈیڈو کی ان بہادریوں سے اُس کی ایسی شہرت ہوئی۔ کہ گرد و نواح کے ڈاکو بھی اس سے آملے۔ اس طرح سے وہ ڈاکوؤں کی ایک زبردست جماعت کا سردار بن گیا۔ اور تھوڑے دنوں میں ہی اُس کی وہ دھاک بندھگئی۔ کہ سکھوں نے راستہ چلنا چھوڑ دیا۔ اور اب میان ڈیڈو ہیں۔ اور اُن کی ڈاکوؤں کی جماعت جو روز روشن جموں پر حملہ کرنے لگ گئے۔ بارہا اُس نے جموں کو لوٹا اور آگ لگائی۔ ایک دفعہ وہ اپنی ٹولی کے ساتھ سر شام جموں میں آپہنچا۔ منڈی میں روٹی پکا کر خوب مزہ سے کھائی۔ اور رات کو آرام بھی وہیں کیا۔ لیکن جو ہیں دن چڑھا۔ لوٹ مار کرتا ہوا رفو چکر ہوا۔ اور دو ہزار سکھ جو کہ جموں میں حفاظت کے واسطے مقرر تھے۔ سب کے سب دُم دبا کر ایسے بھاگے۔ کہ جس کے جہاں سینگ سمائے وہاں چھپ رہے +

جہاں ڈیڈو مناسب سمجھتا۔ تن تنہا جاتا۔ اور سکھوں کو قتل کر آتا۔ جہاں

ضرورت پڑتی ایک جماعت کثیر کے ساتھ جاتا - اور لوٹ مچاتا - لیکن اپنے کسی وطنی کو بالکل کچھ بھی نہیں کہتا تھا - بلکہ ملک با لوگ اُس پر یہاں تک مہربان تھے - کہ جہاں اُس کو رات پڑ جاتی - وہ اُسکو کھانا بھی کھلاتے تھے - اور پناہ بھی دیتے تھے +

مختصر یہ ہے - کہ میاں ڈیڈو کے ان کارناموں سے سکھوں کی حکومت سخت کمزور ہو گئی - نہ کوئی سکھ بیرونجات میں ڈر کے مارے معاملہ وصول کرنے جاتا تھا - نہ ملک میں سے معاملہ وصول ہوتا تھا - بلکہ خاص جموں کی یہ حالت تھی - کہ رات کیوقت کوئی سکھ باہر نہیں نکلتا تھا - ۱۸۱۲ء مطابق سموت ۱۸۶۹ میں ایکدفعہ سکھوں نے اُس کے ساتھ معافی کا وعدہ کیا - جس پر اوس نے اطاعت قبول کی - لیکن کچھ دنوں کے بعد اُس کو پھر کچھ شک ہوا - جس پر اُس نے پاخانہ جانیکا بہانہ کیا - اور دو پہرہ والوں کے ساتھ جنگل میں داخل ہوا - جہاں اُس نے اپنا لوٹا ایک پہرہ والے کے سر پر اس زور سے دے مارا - کہ وہ بیچارہ تو وہاں ہی گر پڑا - اور دوسرا پہرہ والا اپنے ساتھی کی یہ گت دیکھ کر ڈیڈو کا پہرہ چھوڑ کر اپنی جان کا پہرہ دینے کے لئے بھاگ نکلا جس کے بعد میاں ڈیڈو پھر باغی ہو کر فرار ہو گیا - ان متواتر حملوں میں میاں ڈیڈو نے کم سے کم تین سو سکھ لوگ خاص اپنے ہاتھ سے مارے - اور جو خونریزی اُس کے ساتھیوں نے کی - وہ اس سے علاوہ تھی +

اُس نے صرف سکھوں کی حکومت کو ہی کمزور نہیں کیا - بلکہ کشمیر سے لاہور تک جو ڈاک کا سلسلہ جاری تھا - اُس کو بھی قطع کر دیا - ایک دفعہ اُس نے کشمیری مزدوروں سے وہ سیبوں کی ڈالیاں چھین لیں - جو کشمیر سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے واسطے لاہور کو جا رہی تھیں - میاں ڈیڈو نے ڈالیوں میں سے سیب نکال کر اُن میں گندگی بھر دی - اور مزدوروں کو حکم دیا - کہ یہ ڈالیاں اسیطرح جا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے آگے رکھو +

میاں ڈیڈو جسطرح سکھوں کو چنوں میں چنے چبا رہا تھا - اُس کی ایسی کرتوت

کی متواتر خبروں سے لاہور میں سخت پریشانی ظاہر ہوئی جسطرح وہاں بڑے بڑے مہموں کی انجام دہی کے واسطے بڑے بڑے مشورے ہوتے تھے - لاہور کے دربار میں اُسی طرح ڈیڈو کا گرفتار کرنا بھی ایک بڑی بھاری مہم قرار پائی +

ایسا کوئی دن نہ تھا - کہ جس روز مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے ارکین سلطنت کے ساتھ اس کے متعلق خاص مشورہ نہ کرتا تھا - مگر مشکل یہ تھی - کہ مطلب براری کسی مشورے سے نہیں ہوتی تھی - نہ ڈیڈو کسی دھمکی کی پرواہ کرتا تھا نہ کسی وعدہ پر بھروسا کرتا تھا - بلکہ اُس کو خالصہ حکومت کے قول و فعل پر کوئی اعتبار ہی نہیں تھا - اس واسطے لاہور دربار تدبیریں کرتا کرتا عاجز آ گیا - اور جسقدر ڈیڈو کی طاقت بڑھتی جاتی تھی - اوسیقدر دربار لاہور کی مشکلات اور تشویش میں بھی زیادتی ہوتی جاتی تھی +

خصوصاً جب سیب والے مزدوروں نے لاہور میں پہونچکر گندگی کی ڈالیاں پیش کیں - اس وقوعہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طبیعت پر ایک نہایت غمناک اور دل کے جلانیوالا صدمہ پہونچایا - ڈیڈو کی گستاخی سے دل کباب ہو گیا - دربار میں جسقدر سردار موجود تھے - اپنی بے بسی سے اُس حد تک شرمندہ ہوئے - کہ اپنے ہی پسینے میں غرق ہو گئے -

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پیچتابی کی تو کوئی حد و غایت ہی نہ تھی - اسقدر آگ بگولا ہوا - کہ جمعدار خوشحال سنگھ کو نالایق قرار دیکر جموں کا علاقہ اُس سے چھین لیا - اور قسم کھائی کہ خود جا کر ڈیڈو کو جب تک گرفتار نہ کرونگا - تب تک لاہور میں واپس نہ آونگا - جسقدر سردار دربار میں موجود تھے - رنجیت سنگھ کا یہ عہد سنکر دم بخود رہگئے - کسی نے اُف تک نہ کی - مگر مہاراجہ گلاب سنگھ ہنسنے لگا - اُس کے بےموقعہ ہنسنے سے سرداروں کو حیرت ہوئی - بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی حیران ہو کر اُس سے پوچھا - کہ اس بے تکی ہنسی کی کیا وجہ ہے +

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جواب دیا - کہ اے مہاراجہ دھیراج میری ہنسی بیموقعہ نہیں ہے - میری ایک کہانی سن لیجئے - پھر حضور کو میری اس ہنسی کا مطلب خود بخود روشن ہو جاویگا - یہ کہکر اس نے اس کہانی کا آغاز اسطرح کیا - کہ ایک جنگل میں ایک شیر رہتا تھا - اور اُس کا دستور یہ تھا - کہ شکار کھیلنے کے بعد واپس آکر اپنے گپھا میں جاکر سو رہتا تھا اتفاق سے شیر کی اُس گپھا میں ایک چوہے نے بھی رہائش کی - ایک دن جبکہ شیر سو رہا تھا - اُس چوہے نے اپنی سوراخ میں سے چپکے سے نکلکر شیر کی موچھیں کتر ڈالیں - جب شیر بیدار ہوا - اور اپنی موچھوں کو چپٹ پایا - سخت گھبرایا اور گرجتا ہوا باہر نکلا - بلکہ غصہ کے مارے اس زور و شور سے گرجا کہ جنگل میں جسقدر چرند و پرند تھے - مارے خوف کے سب کے پیشاب خطا ہو گئے کسی جانور کو یہ حوصلہ نہوا - کہ اُس کے نزدیک جاکر اس سے دریافت کرتا - کہ اے جنگل کے راجہ ! کہ اس بیطرح گرجنے کا باعث کیا ہے - ان جانوروں میں ایک بلی بہت دلیر تھی - سب جانوروں نے اُس کی خوشامد کی جیوں توں ہو سکے تو شیر کے پاس جاکر اُس کا غصہ فرو کرے - چنانچہ اُس نے سب کا کہنا مانا - اور شیر کے پاس بیدھڑک چلی گئی - اور ادب سے جھکر عرض کی - کہ اے جنگل کے بادشاہ ! قربان جاؤں - ایسا کیا صدمہ حضور کے دشمنوں کو پیش آیا کہ عادت کے برخلاف اس طرح سے گرج رہے ہو +

شیر کو بلی کی یہ ہمدردی بہت پسند آئی - اُس نے گرجنا بند کیا - اور مہربان ہو کر بلی سے بولا - کہ اے بلی دیکھ کسی گستاخ چوہے نے میری موچھیں کتر ڈالی ہیں - میں اس بدفلت جانور کو سخت سزا دینی چاہتا ہوں - اس لئے تو جنگل میں جا - اور تمام جانوروں کو میری زبانی حکم دے - کہ وہ سب اکٹھے ہو کر میرے پاس آویں - تاکہ اس ظالم چوہے پر لشکر کشی کر کے اُس کو مار ڈالیں +

بلی نے پھر ادب سے سر جھکایا - اور کہا کہ میں حضور کا حکم سمجھ گئی - اور مجھکو اُس کی

تعمیل میں کوئی عذر نہیں - لیکن چوہا کوئی ایسا بڑا طاقت والا جانور نہیں ہے کہ اُس کے مارنے کیواسطے تمام جانور جمع کئے جائیں - وہ میرا شکار ہے اور حضور کے اقبال سے میں اکیلی اُس کا کام تمام کر سکتی ہوں - صرف اجازت کی دیر ہے - میں تن تنہا جاکر اُس کو مار سکتی ہوں - شیر بلی کی اس معقول اور مودب تقریر سے بہت خوش ہوا - اور بعد غور کامل کے جوابدیا - کہ ہاں بلی تیرا کہنا بہت درست ہے - تمام جانوروں کو جمع کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تجھکو اجازت دیتا ہوں - کہ تو اکیلی ہی جاکر اس ہوش بدہوش کو اپنا ایک نوالا تر بنا - اس قدر قصہ سنانے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے غضبناک مہاراجہ رنجیت سنگھ سے عرض کی - کہ ای سچے بادشاہ کیا ہم لوگ مر گئے ہیں - کہ حضور والا خود بذات ڈیڈو پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں - اُس کا مارنا کیا مشکل ہے - کہ ایسا اندیشہ اور اضطراب پیدا ہو رہا ہے - ڈیڈو کی حیثیت میرے پاس ایسی ہی ہے جیسی اُس بلی کے پاس اُس چوہے کی تھی - ایک ڈاکو کے مارنے کیواسطے خود بذات تشریف لیجانا حضور کی شان کے برخلاف ہے - اگر حکم ہو - تو میں تن تنہا جاکر اُس کا قلع قمع کر آؤں - مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس راجپوت سردار کی تقریر سنکر بہت خوشی حاصل ہوئی - مہاراجہ گلاب سنگھ کا مطلب سمجھ گیا - اور جموں کا علاقہ اُس کو اجارہ پر دیکر اُس کو اختیار دیا - کہ جس طرح مناسب خیال کیا جاوے - میاں ڈیڈو کو اُس کی بد کرتوتوں کا مزہ چکھاوے - بس پھر کیا تھا - مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے ملک کے اجارہ دار بنکر کامل اختیارات کیساتھ جموں کو لوٹے - اور لوٹتے ہوئے اپنے ساتھ ڈیڈو کے دو رشتہ داروں کو بھی رہا کرا کر لے آئے - جو وہاں مدت سے قید چلے آتے تھے +

جو فوج جموں میں تھی - اُس کے علاوہ اور بھی کچھ فوج مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس اوس کی مدد کیلئے بھیجی گئی - مگر مہاراجہ گلاب سنگھ نے سردست فوج سے کوئی کام نہ لیا +

پہلا انتظام اُس نے یہ کیا - کہ جسقدر ڈیڈو کے یار دوست اور رشتہ دار تھے ان سب کو اپنے ساتھ ملا لیا - اور اُن کے ملانے میں بہت روپیہ خرچ کیا - اس ترکیب سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بخوبی معلوم ہوگیا - کہ ڈیڈو کو کون کون شخص پناہ دیتا ہے - اور اُس کے مددگار کہاں کہاں رہتے ہیں - بلکہ اب ڈیڈو کی آئندہ حرکات کی اطلاع بھی مہاراجہ موصوف کو قبل از وقت ملنے لگی - اور یہاں تک انتظام ہوگیا - کہ سب سے پہلے مہاراجہ صاحب مذکور نے ان لوگوں کو سزا دینی شروع کی - جو ڈیڈو کو کسی قسم کی امداد یا پناہ دیتے تھے - اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا - کہ ڈیڈو کو لوگوں نے مدد اور پناہ دینی ترک کردی - بلکہ بہت سے ڈاکو بھی اس سے جدا ہوکر وہ تن تنہا رہ گیا - اب اُس کا پیچھا ہونا شروع ہوا جسطرف وہ جاتا - فوجوں کے دستے اُسکا پیچھا کرتے تھے سب سے زیادہ پناہ اُس کو پرگنہ پہلوالٹہ میں ملا کرتی تھی - وہ خود بھی اسی پرگنہ میں چھپ چھپا کرتا تھا - اور اُس کے بال بچے بھی یہاں ہی پوشیدہ رہا کرتے تھے - مگر اب تو اُس کا یہاں بھی تعاقب ہونے لگا - اس واسطے وہ اس جگہ سے بھی بھاگا اور مع عیال و اطفال کے ترکٹا دیوی کے پہاڑ پر جا چھپا - لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ سے یہ خبر بھی پوشیدہ نہ رہی - اس پہاڑ پر چڑھنے کے صرف تین راستے ہیں مہاراجہ کی فوج نے تینوں راستوں سے کوچ کرکے اس پہاڑ کا بھی گھیرا ڈال لیا +

اب میاں ڈیڈو کے چھکے چھوٹے - وہ سمجھ گیا - کہ اب اس کا اخیر زمانہ آنے والا ہے اس لئے اپنے بال بچوں کو مندر کے پوجاری کے حوالہ کرکے خود سچے راجپوتوں کی طرح گھیرا ڈالنے والی فوج کے آگے چلے آیا اور ایک بڑے چٹان پر بیٹھ گیا - تلوار اپنے آگے رکھ لی - خود کمال فراغت کے ساتھ حقہ پینے میں مصروف ہوگیا - اور اپنے دشمنوں کا جو دور سے نظر آرہے تھے تماشہ دیکھتا رہا +

مہاراجہ گلاب سنگھ نے حکم دے رکھا تھا - کہ ڈیڈو مارا نہ جاوے - اور گو فوجی آدمیوں کو اب ڈیڈو حقہ پیتے ہوئے نظر آرہا تھا - لیکن اُس کی وحشت اسقدر تھی - کہ کوئی شخص اسکے قریب آنیکی جرات نہیں کرسکتا تھا - آخر کار جنگی آدمیوں کی ایک ٹولی آگے بڑھی - اور اُس کے بہت قریب آگئی - جسپر میاں ڈیڈو للکار کر بولا - کہ اے کمبختو دور بھاگو - ورنہ ایک ایک کو چن چن کر ملک عدم میں دے مارونگا - اُسکا یہ کہنا ہی تھا - کہ سب کے اوسان خطا ہوگئے اور کوئی آگے نہ بڑھا - آخر کار ایک سکھ نے حوصلہ کیا - اور ڈیڈو کے پاس چلا آیا - اُس کا نام عطر سنگھ تھا - عطر سنگھ نے ڈیڈو پر تلوار کا ایک وار کیا - لیکن وہ وار خطا ہوا - اور ڈیڈو کو سوائے ایک ہلکے سے زخم کے اور کوئی نقصان نہ پہونچا - بس پھر کیا تھا - جواہر سنگھ کی موت نے اُس کو آگھیرا - میاں ڈیڈو نے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا صاف کیا - کہ سر سے لیکر تونی (ناف) تک جواہر سنگھ دو حصوں میں کٹ کر اور مردہ ہوکر ڈیڈو کے پاؤں کے نیچے گر پڑا - اور سپاہیوں نے اپنے اس اجل رسیدہ ساتھی کا جب یہ حال دیکھا - ایسا ڈرے - کہ اُس کو زندہ گرفتار کرنیکا خیال چھوڑ کر بندوق کا نشانہ بنایا - جس کے بعد اُس کا سر کاٹ کر لاہور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہونچایا گیا - اور اس بہادر میاں کا جو دراصل اپنے ملک اور قوم کا خیر اندیش تھا - اس طرح سے خاتمہ ہوا +

ریاسی کی فتح

ریاسی کا مالک دراصل میاں دیوان سنگھ تھا مگر اُس کی نسبت مہاراجہ رنجیت سنگھ کو شک ہوا - کہ میاں موٹا کی قتل میں وہ بھی شامل تھا - اسواسطے یا یوں کہو کہ مہاراجہ موصوف نے ریاسی کو اس بہانہ سے چھین لینے کے خیال سے دیوان سنگھ کو لاہور میں طلب کرکے قید کیا - اور اسکا

ملک بھی ضبط کر لیا۔ یہ سموت ۱۸۷۲ کی بات ہے۔ اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ دفعتاً اُن کے پاس مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک پرائیوٹ خادم جسکا نام بھگوان سنگھ تھا۔ یہ تحریری حکم لیکر پہونچا۔ کہ ریاسی پر قبضہ کرکے اُس کو اپنی جاگیر میں شامل کر لو +

مہاراجہ گلاب سنگھ جن کو ملک گیری کا بہت شوق تھا۔ اس حکم سے بہت خوش ہوئے۔ جب فوج ظفر موج ریاسی کی حدود میں پہونچی۔ عام لوگون نے بہ اظہار اطاعت نذرانے پیش کئے۔ اور امان حاصل کی۔ مگر خسالی کے کچھ لوگ جن کو کچھ تو ایک غیر مستحق اجنبی شخص کی جانب سے حملہ کرنا بہت بُرا معلوم ہوا۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ دیوان سنگھ مذکور کے بیٹے میان بھوپ دیو نے اُن کو بھڑکا رکھا تھا۔ مقابلہ کرنے پر تیار ہوئے۔ اُنکی دیکھا دیکھی اُن کے ساتھ ارناس کے لوگ بھی شامل ہو گئے +

مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس خبر سے غم پیدا ہونے کی جگہ برعکس خوشی حاصل ہوئی۔ اور چیدہ گھوڑ چڑھون کا ایک دستہ اپنے ساتھ لیکر بلا کسی پس و پیش کے کوہستان خسالی کو روانہ ہو کر سوائے کسی کے مقابلہ کرنے کے سنداون میں پہونچا۔ جہان اُس نے ایک مہاتما آدمی کے جن کا نام بابا دھیو نو تھا۔ درشن کئے۔ یہان سے مہاراجہ موصوف قلعہ سلال کو روانہ ہوئے۔ جو تین طرف سے دریائے چناب سے گھیرا ہوا ہے۔ اور بوجہ دشوار گذاری کے خاص طور پر مشہور ہے +

دریا کے پار بھوپ دیو معہ اپنے پہاڑی جان نثار ملکیا لوگون کے نظر آ رہا تھا۔ جس نے اُن کو حملہ آور کے مقابلہ کے لئے جنگی قواعد کے مطابق قطار در قطار آراستہ کر رکھا تھا +

یہان سے حملہ آور فوج دریا کو مشکون کے ذریعہ جو سرنائیان کہلاتی ہیں عبور کر کے پہاڑی لوگون پر جا پڑے۔ اور ایک چھوٹا سا جنگ ہوا جس میں پہاڑی

لوگ زیادہ دیر تک مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ اور فتحیاب حملہ آورون نے تعاقب کیا +

مغلوب شدہ خسون کا سرغنہ ایک شخص تہرن کوٹ کا باشندہ تھا جس کا نام سری پت ڈھنڈی تھا۔ شکست کھانے کے ساتھ اُس نے کمال ادب کے ساتھ فتحیاب مہاراجہ کے پاس حاضر ہو کر اپنی جانب سے اور لوگون کی جانب سے بھی بطور ظاہر داری کے نہایت عاجزی سے عرض کی۔ کہ اُن کا قصور معاف فرمایا جاوے۔ اور اُس کے ساتھیون کو اجازت بخشی جائے۔ کہ حاضر ہو کر اپنی اطاعت کا اظہار کرین +

مہاراجہ گلاب سنگھ کو گو یقین نہیں تھا۔ کہ سری پت اور اُس کے ساتھی سچے دل سے اظہار اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم اُس نے اُس کی درخواست مصلحتاً منظور کی۔ اور خسون کو حاضر ہونیکا موقعہ دینے کے بعد سوائے کسی قسم کی گوشمالی کرنے کے ان سب کو رخصت کیا +

لیکن تہرن کوٹ اول لوٹا گیا۔ اور بعد اُس کے اُس پر اپنا قبضہ قائم کیا گیا۔ سری پت نے جو تہرن کوٹ کے لوٹے جانے سے پیشتر ہی اس موضع سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔ موضع مذکور کے لوٹے جانے پر تین سو روپیہ بطور نذرانہ کے پیشکش کئے۔ لیکن اگلی دفعہ اس نذرانہ کے ساتھ خود پیش نہیں ہوا بلکہ خوف کے مارے عمداً کنارہ کش رہا +

تہرن کوٹ کی لوٹ کے بعد ریاسی سر کی گئی۔ جہان برہمنون نے اظہار اطاعت میں نذرانہ پیش کیا۔ اور بوجہ انکی اطاعت کے ریاسی لوٹ سے محفوظ رہی +

ریاسی کی فتح کے بعد بھوپ دیو کا تو کہیں پتہ نہ لگا۔ لیکن مسمی بھیمہ جو ریاسی کا تھانہ دار تھا۔ وہ گرفتار ہو کر قید کیا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ لاہور کو تشریف لیگئے۔ اور نو مفتوح علاقہ کا اہتمام دیوان امیر چند کے سپرد کر گئے جس نے حسب ہدایت مہاراجہ صاحب موصوف ایک چکلہ بنایا۔ اور جدید تھانہ کر کر

اس کا نام بھیم گڈھ رکھا۔ ✣

اہل ریاسی کی بغاوت اور اُن کی سرکوبی

میان بھوپ دیو نے جب سلال میں مہاراجہ گلاب سنگھ سے شکست کھائی اُس کے بعد وہ لاہور چلا گیا۔ جہان اوس کی کوشش رسوخ اور سازش سے اوس کے باپ میان دیوان سنگھ کو قید سے رہائی حاصل ہوئی جسکے چھوٹ جانے پر اُس نے ریاسی میں یہ غلط شہرت مشہور کرا دی۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے دونون بھائیون پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خفگی آ گئی ہے۔ اور ریاسی کا علاقہ اُس کو اور اُس کے باپ کو واپس بخشا گیا ہے۔ بھوپ دیو نے صرف اس غلط افواہ کے مشتہر کرانے پر ہی اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اوس کی تائید میں ایک جعلی پروانہ بھی تیار کیا۔ جسکو اُس نے مشہور کروایا۔ کہ اُس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی صحیح پڑی ہوئی تھی ✣

یہ تمام منصوبہ ایسی ہوشیاری اور جانبازی سے تیار کیا گیا تھا۔ کہ سادہ لوح پہاڑی لوگ اُس کے دم جھانسے میں آ گئے۔ اور جو کچھ اُس نے ظاہر کیا۔ اسکو سچ جانکر جوش میں آ گئے۔ اور یہ جوشش یہان تک پہیلی کے آخر کار باشندگان کتھی اور کہیر کنال نے جمع ہو کر قلعہ ریاسی کا محاصرہ کر لیا ✣

اس وقت دیوان امیر چند کے ماتحت صرف ۵۰ جوان تھے۔ اور عام لوگون سے مدد کی۔ کوئی امید نہ تھی۔ البتہ بہما شاہ بھاٹیہ نے غلہ اور باروت کی خرید کے لئے روپیہ کی امداد بخشی کی ✣

بہر حال امدادی فوج باہر سے جلد اور سرعت کے ساتھ آنے لگی۔ کچھ فوج رام گڈھ سے راجہ کشور سنگھ نے بھیجدی۔ سو مسلح جوان میان بدنا نے روانہ کئے۔ جو میان موٹا کے خاندان میں سے تھا۔ چناس لکھیانہ اور جندراہ کے جاگیرداروں میں سے میان حسنا۔ ٹلا۔ اور چھیلا نے بھی

عین وقت پر اپنے آدمی بھیجدئے۔ پور دو رہوڑا معہ ۲۰ مسلح جوانون کے موضع گڈھ پرگنہ داہور سے شمولیت جنگ کیواسطے آپ ریاسی میں داخل ہوا۔ میان پرمین سنگھ منال بھی اس بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بذات خاص پہونچا ✣ اس سبب متفقہ فوج کی تعداد پانچسو آدمی تک ہو گئی۔ اور ریاسی میں داخل ہو کر منتظر اس بات کی رہی۔ کہ دیوان امیر چند حکم دیوے۔ تو محاصرہ کرنے والون کی خبر لیجاوے ✣

مگر پہاڑی باغیون نے جب دیکھا۔ کہ غنیم کی فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔ تو محاصرہ اوٹھا کر آہستہ آہستہ رفو چکر ہونے لگے۔ لیکن دوسرے دن آخر کار کسیقدر مٹھ بھیڑ ہو ہی گئی ✣

میان جواہر سنگھ معہ کسیقدر ساتھیون کے ایک پہاڑ کے دامن سے گذر رہا تھا کہ باغیون کا ایک گروہ ان پر تلوارین سونت کر آ پڑا۔ اور دست بدستی شمشیر بازی ہونے لگی جس میں جواہر سنگھ اور اُس کے ساتھیون کے پیر اوکھڑنے لگے۔ مگر اُن کی خوش نصیبی سے ایک جوانمرد نے آکر اُن کا حوصلہ بڑھایا۔ اور شریک جنگ ہو کر وہ تلوار چلائی۔ کہ باغیون کے چھکے چھوٹ کر بھاگ نکلے۔ اس جوانمرد کا نام میان زور آور سنگھ کہلوریہ تھا ✣

زور آور سنگھ کہلوریہ لاہور سے ریاسی میں صرف بطور سیر کے آیا تھا۔ اور میان جواہر سنگھ کے جنگ کا تماشہ کہیں دور سے دیکھ رہا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ جواہر سنگھ شکست کہانے کو تیار ہے۔ تو فوراً ان کی مدد کو پہنچا۔ اور باغی پہاڑیون کو مار بھگایا۔ جس کے بعد پھر وہ دوبارہ مقابلہ کی جرات نہ کر سکے ✣

چند یوم کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ بذات خاص ریاسی میں داخل ہوئے۔ جہان دیوان امیر چند کی زبانی میان جواہر سنگھ اگادہیا اور میان زور آور سنگھ کہلوریہ کی خدمات اور بہادرانہ کارنامون کا حال سنکر دونون کو ایک ایک طلائی کنٹھا صلہ میں بخشا۔ اس کے بعد پور دو رہوڑا ریاسی کا تھانیدار مقرر ہوا ✣

دوسرے دن مہاراجہ صاحب سلال میں پہونچے یہاں ایک شخص جس کا نام سور نو تھا - نذر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا - لیکن مہاراجہ صاحب نے اُس کی نذر قبول نہیں کی - جس پر وہ اجل رسیدہ جوش میں آکر بولا کہ مجھ پر اظہار خفگی کا کیوں کیا جاتا ہے اہل ریاسی نے میری تحریک سے بغاوت نہیں کی تھی - بلکہ اس بغاوت کے بانی دراصل حضور کے کاردار ہیں - جنہوں نے کہ بدعملی پھیلا رکھی تھی +

مہاراجہ گلاب سنگھ اپنا رعب وداب قایم کرنے کیواسطے جس کی کہ سخت ضرورت تھی - کسی نہ کسی کو سزا تو دینی چاہتا ہی تھا - سر نو کی دریدہ دہنی نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو موقعہ دیا - کہ اپنا غصہ اُسی اجل رسیدہ پر نکالے - لہذا اُس کے حکم سے سر نو پھانسی لگایا گیا - اور اُس کی لاش ایک شیشم کے درخت کے ساتھ نظیراً لٹکائی گئی - اور از ان بعد ریاسی والوں نے پھر کبھی بھی بغاوت نہیں کی +

کشتواڑ کی فتح

کشتواڑ کا خطہ قدیم الایام سے ملک کشمیر کا ایک جزوی علاقہ سمجھا جاتا ہے - مگر دلایل ایسی موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے - کہ اس ملک کی آبادی کشمیر سے پیشتر کی ہے - روایت ہے - کہ جبوقت کشمیر کی سرزمین ایک جھیل کی حالت میں بلند کوہستان کی چوٹیوں تک پانی اور برفوں سے پُر ہو کر ستی سر کے نام سے ملقب تھی اس وقت کشف جی کشتواڑ میں بھی رہتے تھے - اور یہاں سے ہی کشمیر کیطرف برنگا اور کونٹر ناگ کے پہاڑ پر بیٹھ کر جھیل مذکور کا پانی نکالنے کیواسطے اُنھوں نے تپیا (ریاضت) کرنی شروع کی +

کشف جی کا گذر چونکہ پہلے کشتواڑ میں ہوا - اس واسطے اُس سرزمین کا نام کشف وار یعنے کشف جی کے رہنے کی جگہ تھا +

اب اس ملک کا نام جو بجائے کشف وار کے کشتواڑ ہے - اسکی وجہ یہ ظاہر کیجاتی ہے - کہ کشف جی کا دور دورا جب ہو چکا تو پھر اس ملک میں کسی زمانہ

میں ایک تاجروں کی قوم آکر آباد ہوئی - یہ لوگ بھوٹان سے خوبانیاں خرید کر لاتے تھے - بوجہ جس کے کشف وار میں ایک بڑی بھاری منڈی خوبانیوں کی قایم ہوئی جن کی گوٹھلیوں سے علاقہ کشف وار میں جنگلی خوبانیاں افراط سے پیدا ہونے لگیں خوبانیوں کو کرشٹہ کہتے ہیں - اور بوجہ خاص پیداوار کشٹوں کے کشف وار کا نام کشٹہ وار ہو گیا - یعنے کشٹوں کی پیداوار کی جگہ +

کشتواڑ کی حدود اربعہ یہ ہیں - مشرق میں چمبہ - مغرب میں کشمیر کا مشہور پہاڑ بانہال شمال میں کوہستان بھوٹان - اور جنوب میں خنیج جو پرگنہ بھلواڑہ میں واقعہ ہے اور ایک ایسی دیرینہ چھوٹی سی ریاست ہے - کہ جس کا ابتدائی حال دریافت طلب معلوم ہوتا ہے - کہ جب کشمیر سے زبردست ہندوؤں کی حکومت اُٹھ گئی تو کشتواڑ میں بکرماجیت کی نسل میں سے کسی نے آکر اپنی ریاست قایم کی جسکا مفصل حال جدا لکھا جاویگا +

اس خاندان کا اخیر راجہ تیغ سنگھ ہوا ہے - جس نے اسلامیہ مذہب اختیار کرنے کے بعد ہندوؤں کو اپنا دشمن کیا - اور اس کوشش میں لگا - کہ اوسکا وزیر لکھپت رائے بھی مسلمان ہو جائے - تیغ سنگھ نے وزیر لکھپت رائے کو کئی طریقوں سے سمجھایا - اور بہت ترغیبیں اور دھمکیاں دیں - لیکن راجہ تیغ سنگھ کی ان حکمت عملیوں کا اس کی طبیعت پر نہ کچھ اثر پڑا - نہ وہ اپنے دھرم سے باز آیا - بلکہ راجہ تیغ سنگھ اُس کو مسلمان بنانے کیواسطے جسقدر زیادہ کوشش کرتا تھا - وزیر لکھپت رائے کا عقیدہ اپنے دھرم پر اُسیقدر زیادہ پکا ہوتا جاتا تھا - بوجہ جس کے آخر کار ان دونوں میں کھلم کھلی مخالفت پیدا ہو گئی +

مہاراجہ گلاب سنگھ جو اس بگڑی ہوئی ریاست کو ایک مدت سے ہڑپ کر لینا چاہتا تھا - اُس نے راجہ اور وزیر کی باہمی مخالفت کو اپنی خوش نصیبی سمجھ کر اس جلتی آگ میں ایک ترکیب سے تیل ڈال کر اُس کے جہان سوز شعلوں کو اور بھی بلند کر دیا +

وہ ترکیب یہ تھی - کہ ایک روز موقعہ دیکھکر اُس نے وزیر لکھپت رائے کے نام ایک مراسلہ بدین مضمون لکھا - کہ آپکی عرضی وصول ہوئی - اور اوسکا مضمون پڑھکر کمال خوشی حاصل ہوئی - چاہیئے کہ آیندہ بھی اسیطرح اپنے حالات سے آگاہی دیتے رہا کرو +

اس مراسلہ کو لکھا کر مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک لفافہ میں بند کرا کے دیدہ و دانستہ راجہ تیغ سنگھ کے پاس بھجوا دیا +

راجہ تیغ سنگھ کو یہ شک تو پہلے سے ہی تھا - کہ اُس کے اہلکار اُس کو قتل کر کے اوسکے بیٹے کو گدی پر بٹھانا چاہتے ہیں - جب مہاراجہ گلاب سنگھ کے مراسلہ سے اسکو معلوم ہوا - کہ اُس کے وزیر نے مہاراجہ موصوف کے ساتھ خط و کتابت جاری کر رکھی ہے - حالانکہ اس خط و کتابت کا کوئی وجود ہی نہ تھا - تو اُس کا شک بہ پایہ یقین پہونچا - اور بیچارے ناکردہ گناہ وزیر مذکور کے لہو کا پیاسا ہو کر اُس کے مروا ڈالنے کی فکر میں پڑا - جسے کہ ایک پٹھان اُس کی قتل پر مقرر ہوا - اور قرار یہ پایا کہ جسوقت وزیر مذکور حسب معمول خود دربار میں سلام کرنے آوے - اسیوقت موقعہ دیکھکر سر دربار قتل کر ڈالا جاوے - چنانچہ اس پٹھان نے ایک دن ایسا ہی کیا کہ سر دربار وزیر مذکور پر تلوار کا وار کیا - مگر وزیر مذکور کی خوش نصیبی سے وہ تلوار اُس کے بازو پر لگی - اور بجز ایک خفیف زخم کے اور کوئی نقصان نہ کر سکی +

راجہ تیغ سنگھ کو جسقدر وزیر لکھپت رائے سے نفرت تھی - اُسیقدر بلکہ اُس کی ہر دلعزیزی کے اُس سے ڈرتا بھی تھا - جب اُس نے دیکھا کہ پٹھان کا وار خالی گیا - تو کچھ تو اس خیال سے کہ اُس کی سازش کا حال افشا نہو - اور کچھ اس وجہ سے کہ وزیر اور اُس کے یار دوست اور ہمدردوں کا غصہ فرو ہو کر زیادہ شورش نہو - باواز بلند یہ حکم دیا - کہ پٹھان مذکور جانے نہ پاوے - فوراً قتل کیا جاوے - اُس کے

منہ سے یہ حکم نکلنے کی ہی دیر تھی - کہ دس بارہ مسلح آدمیوں نے اوسکو چاروں طرف سے گھیر کر ٹکڑہ ٹکڑہ کر ڈالا +

مگر اس اجل رسیدہ پٹھان کی قتل سے وزیر لکھپت رائے کو جسکا ہنوز کچھ آب و دانہ باقی تھا - اپنی آیندہ سلامتی کا اطمینان نہوا - جس وجہ سے وہاں سے مفرور ہو کر اوس نے بھدرواہ کی سکونت اختیار کی - اور قسم کھائی کہ جب تک راجہ تیغ سنگھ کشتواڑ کا راجہ رہیگا - تب تک نہ وہ کشتواڑ میں قدم رکھیگا - اور نہ اس ملک میں ملازمت کریگا +

وزیر لکھپت رائے کے نکل جانے کے بعد کشتواڑ کا انتظام اور بھی بگڑ گیا - اور جب اُس ریاست کی بدبختی کا ستارہ پورے کمال پر پہونچا - تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اُس کے الحاق کے لئے عملی تدابیر کرنی شروع کر دیں چنانچہ سب سے پہلے اُس نے خفیہ طور سے اپنی فوج کو چھینی کے گرد و نواح میں پہونچایا - یہ سنہ ۱۸۷۸ بکرمی کی بات ہے - پھر خود دورہ کے بہانہ سے ایک دن اس فوج کے ساتھ جا ملا - اور وہاں سے راجہ دیالچند والی چھینی کو اپنے آنے کی اطلاع کرا کر اُس کو اپنے پاس آنے کا پیغام بھیجا - لیکن راجہ دیال چند ڈرا - کہ مبادا کچھ فریب ہو - جس پر مہاراجہ موصوف نے اُس کے پاس خاص اُس کے ہی ایک اہلکار وزیر جراسندہ کو بھیجکر اور اسکا شک رفع کرا کر اُس پر اپنے دل کا حال ظاہر کیا - کہ کشتواڑ کے متعلق کچھ مشورہ کرنا منظور ہے - جب راجہ دیال چند کا شک اسطرح رفع ہوا - تو وزیر جراسندہ کے ہمراہ ہو لیا - مہاراجہ موصوف نے اُس کے درجہ کے مطابق اُس کی پیشوائی کی اور ان دونوں کی ملاقات کا یہ نتیجہ نکلا - کہ چھینی کی رعایا نے ڈوڈہ کے متصل حسب خواہش مہاراجہ موصوف کے دریائے چناب پر درختوں کی شاخوں کے رسّے بنا کر ایک پل بنا دیا - جس کے بن جانے پر مہاراجہ موصوف معہ اپنی فوج کے اس پل کے ذریعہ اس قسم کے رسوں سے جو پل

بنائے جاتے ہیں۔ اُگجی کہیرا کہتے ہیں) دریا کو عبور کیا۔
تیغ سنگھ کو اُس کی چڑھائی کی باموقعہ خبر ہو چکی تھی۔ اور گو وہ جانتا تھا۔ کہ اُس کا انتظام بگڑا ہوا ہے۔ اور وہ طاقتور حملہ آور کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ تاہم اُس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی فوج اور شکستہ دل رعایا کو اُس کے مقابلہ کیواسطے روانہ کیا۔ رام بن کے آگے دونوں فوجوں کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ جس میں کشتواریوں کا سخت نقصان ہو کر اور شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ اور فتحیاب ڈوگروں نے راجہ تیغ سنگھ پر قابو پا کر اُس کو ایک بہانہ سے روانہ لاہور کیا۔ جہاں اُس کو سکھوں نے زہر دیکر مار ڈالا۔ مگر راجہ تیغ سنگھ کے اسطرح سے مغلوب ہو کر لاہور میں مارے جانے کی تصدیق سوائے گلاب نامہ کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اصلی کیفیت جس کی تصدیق وارثان وزیر لکھپت رائے سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ جب ڈوگروں کی فوج ڈوڈہ میں پہونچی۔ تو راجہ تیغ سنگھ بھی معہ دس ہزار کشتواریوں کے ڈوڈہ میں آکر مہاراجہ گلاب سنگھ سے آملا۔ اور کوشش یہ کی کہ جنگ کی نوبت نہ آوے۔ جس پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُس کو صاف الفاظ میں اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا۔
راجہ تیغ سنگھ کو مہاراجہ مذکور کی اسبات سے اسقدر غصہ آیا کہ وہاں سے فوراً برخاست کر کے بدیں خیال روانہ لاہور ہوا۔ کہ وہاں جا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے براہ راست بات چیت کر کے ڈوگروں کی ماتحتی سے محفوظ رہے ورنہ بصورت دیگر کشتوار کا ملک بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حوالہ کر دیا جاوے لاہور میں پہونچکر بد نصیب تیغ سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ کے ساتھ واسطہ پڑ گیا۔ جس نے بلحاظ اپنے بھائی مہاراجہ گلاب سنگھ کے اُس کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ملاقات ہی نہ ہونے دی +
جب راجہ تیغ سنگھ کے نوکر چاکروں نے دیکھا۔ کہ نہ اُس کی مہاراجہ

رنجیت سنگھ تک رسائی ہوئی۔ نہ اوس کی کوئی بات ہی پوچھتا ہے۔ تو اکثر لوگ اُس سے کنارہ کش ہو کر واپس کشتوار کو چلے آئے۔ اور اسطرح سے اُس کے ہمراہی یہاں تک بھاگ گئے۔ کہ آخر کار اُس کے پاس بہت تھوڑے نوکر چاکر رہ گئے۔ راجہ تیغ سنگھ بہ امید ملاقات اور بھی کچھ مدت تک لاہور میں ٹھہرا رہا۔ مگر جب اس کا سرمایہ بھی ختم ہو گیا۔ تو لاچار دینا نگر کو روانہ ہوا۔ اور یہاں حالت مایوسی اور بے سرو سامانی میں اپنے بازو کی رگوں کو کٹوا کر خودکشی کر لی +
بہر حال جب کشتوار کا الحاق اسطرح بظاہر سکھوں کی سلطنت کے ساتھ اور دراصل جموں کے ساتھ ہو گیا۔ تو اس کا پہلا کاردار میاں چین سنگھ مقرر ہوا اب وزیر لکھپت رائے کی کیفیت سنئے۔ جب کشتوار پر اسطرح مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت قایم ہوئی۔ تو وزیر مذکور کو سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو مہاراجہ موصوف کے رحم پر چھوڑے اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ ادہر مہاراجہ گلاب سنگھ جو کہ نمک حلال اور شریف اور خاندانی اشخاص کا قرار واقعی قدرداں تھا۔ وزیر لکھپت رائے کی نمک حلالی اعلیٰ لیاقت اور خاندانی عظمت سے بخوبی واقف تھا۔ بلکہ جسطرح سے اُسنے وزیر مذکور کو راجہ تیغ سنگھ سے ناحق بدظن کرایا تھا۔ وہ حال بھی اُس کو بخوبی یاد تھا۔ بلحاظ ان حالات کے مہاراجہ موصوف نے وزیر مذکور کے ساتھ مہربانی سے پیش آکر اُس کی جاگیر بدستور بحال رکھی اور علاوہ بریں اُس کو اپنے اہلکاروں میں شامل کیا۔ جس کے بعد وزیر مذکور کا بوجہ اُس کی لیاقت اور اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کے مہاراجہ صاحب موصوف کے پاس اسقدر رسوخ ہوا۔ اور اعتبار بڑھا۔ کہ رفتہ رفتہ خاص اہلکاروں یا ارکین ریاست میں شامل ہوا۔ اور بڑی بڑی خدمتیں بھی انجام دیں +
کشتواریوں نے اسطرح ڈوگروں کے ماتحت ہو کر کئی دفعہ ہاتھ پیر مار کر اُن کی حکومت سے مخلصی پانیکی کوششیں بھی کی تہیں۔ لیکن جب

مہاراجہ گلاب سنگھ سردار جواہر سنگھ کی وزارت کے زمانہ میں مغلوب ہو کر لاہور میں پہنچائے گئے — کشتواریوں کی اُس وقت کی سرکشی نہایت خطرناک تھی۔ اس بغاوت کا سرغنہ دلاور خان تھا۔ جس کو دلاور سنگھ بھی کہتے تھے۔ یہ شخص راجہ تیغ سنگھ کی ایک آشنا عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے کے باعث اپنے آپ کو کشتوار کی گدی کا وارث سمجھتا تھا۔ اور بکرم زمیندار اور ایک نمک حرام منشی کی تحریک اور امداد کے بھروسہ پر سرکش ہوا تھا۔ اس نمک حرام منشی کا نام یوسف خان تھا۔ ان دونوں مددگاروں کی امداد پر گمراہ ہو کر دلاور خان کشتوار میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ بہت لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے اس کی مدد کے لئے جمع بھی ہو گئے۔ اور ان بلوائیوں نے یہاں تک خطرناک صورت اختیار کی۔ کہ لالہ سرب دیال جو کشتوار کا کاردار تھا۔ اور متصدی ہوشیار خوف زدہ ہو کر ایسے گھبرا گئے۔ کہ مفرور ہو کر قلعہ ڈوڈہ میں پناہ گیر ہوئے۔ لیکن باغیوں کا حوصلہ یہاں تک بڑھا ہوا تھا۔ کہ انہوں نے قلعہ ڈوڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اور یہ محاصرہ اُس وقت ٹوٹا جبکہ لکھپت رائے وزیر معہ اپنے فرزند وزیر زور آور سنگھ کے کسقدر فوج لیکر رام بن میں پہونچے جہاں سے انہوں نے دریائے چناب کو اموک زمیندار کی مدد سے عبور کر کے توپیں چلانی شروع کیں۔ جن کی آواز سن کر سب باغی لوگ خوف زدہ ہو کر مفرور ہو گئے۔ اور بعد اُس کے کشتواریوں نے پھر کبھی بغاوت نہیں کی۔ بلکہ اب وہ لوگ ڈوگرہ حکومت کی نہایت جان نثار اور فرمانبردار رعایا ہیں۔

قلعہ سومرتھہ کی فتح

قلعہ سومرتھہ بین کوہستان بلور و رام نگر کے واقعہ ہے۔ اس قلعہ پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے معہ اپنے دیگر نامی سواروں اور بہادروں کے سمت ۱۸۸۰ مطابق سنہ ۱۸۲۳ء میں خود چڑھائی کی تھی۔ جو فوج اس قلعہ پر حملہ آور

ہوئی تھی۔ وہ چار کالموں میں تقسیم کی گئی تھی۔ ایک کالم کی کمان دیوان امیر چند کو معہ دلتیہ اور میرپور یہ دو میاں صاحبان کو ملی تھی۔ اسی کالم میں دو سو آہنی سپاہی اور مسلح زمیندار لوگ شامل تھے۔ ان لوگوں نے مان سر سروہی سرے ہو کر چڑھائی کی۔ اور جب بجاور میں پہونچے۔ تو ایک ہزار جنگی سپاہی اُن کے ساتھ اور بھی آ ملے۔ باقی تین کالم بھی تین راستوں سے ہو کر چلے۔ اور جب یہ چاروں کالم قلعہ سومرتھہ کے متصل پہونچے۔ تو پہلے ہر ایک کالم نے اپنے اپنے محاظ میں مورچہ بندی کی۔ تاکہ دشمن کی بندوق یا گولی کوئی کاٹ نہ کرے +

محاصرہ دیوان امیر چند کے کالم نے شروع کیا جس نے قلعہ کے پیچھے سے جنگ جاری کر دیا۔ آگے کیطرف سے خود مہاراجہ صاحب موصوف معہ کچھ فوج کے بڑھے۔ دایئں طرف سے میان ساول سنگھ اور سماڈری سنگھ کے کالم نے حملہ شروع کیا۔ بایئں طرف سے میان لابھ سنگھ اور دیوان سنگھ کے کالم نے دلوا اول دیا۔ اور ایک خونخوار جنگ شروع ہوا۔ قلعہ کے چاروں طرف ایک گہری کھائی تھی۔ جس میں پانی بھی بہت عمیق تھا۔ زیادہ غضب یہ کہ قلعہ گیر فوج تاک تاک کر نشانے لگاتی تھی۔ اور حملہ آور فوج پر انہوں نے وہ غضب کی۔ آگ برسائی کہ جسقدر اُن کی تعریف کیجائے کم ہے۔ لیکن مہاراجہ کی فوج آگے بڑھنے سے پھر بھی نہ چوکی +

جب رات ہوئی۔ اور اندھیرے میں ایکدوسرے کا بازو بھی نظر نہیں آتا تھا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ خاکی وردی پہنکر خفیہ طور سے آگے کو بڑھتے بڑھتے قلعہ کی کھائی تک جا پہونچے۔ رات کو دونوں طرف سے خوب بندوق چلی۔ صبح دم میاں بشنا اور بچار اور نوجوان کہیں سے درخت کاٹ لائے۔ جن کے تنوں اور شاخوں سے ایک جگہ کھائی بند کیگئی۔ آگے بڑھنے کا راستہ بھی بن گیا۔ اور قلعہ کی دیواروں پر چڑھ جانے کے لئے

سیڑھیاں بھی تیار ہو گئیں - بعد اُس کے میاں گلاب سنگھ برستی آگ میں قلعہ کے دروازہ پر جا پہونچا - اور قلعہ گیر فوج کو اُس نے زور سے پکار کر کہا - کہ دروازہ کھولدو +

محصورین نے جب دیکھا - کہ بچاؤ کی اب کوئی صورت نہیں ہے - تو چند شرائط پر دروازہ کھولدینے پر رضامند ہوئے - اُن کی شرطیں منظور کر لی گئیں جس کے بعد قلعہ گیر فوج دروازہ کھولکر اور ہتھیار چھوڑ کر قلعہ سے باہر نکل آئی - اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے قلعہ کا قبضہ کر کے اُس کی تھانہ داری میاں لشن سنگھ عرف میاں بشنا کو دی - لیکن یہ انتظام جلدی بدل گیا - کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے علاوہ رائے کوٹ اور ساتھیے کے یہ قلعہ بھی مہر رام نگر کے راجہ سوچیت سنگھ کو دیدیا - اور اُس کے مل جانے سے راجہ سوچیت سنگھ کی کل جاگیر ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی ہو گئی +

مہاراجہ گلاب سنگھ کے ماتحتوں کا تبت خورد کو فتح کرنا

معلوم ہوتا ہے - کہ ریاسی ارناس اور کشتواڑ کا بالا حاکم میاں زور آور سنگھ کلہوریہ تھا - جس نے بوجہ اس حکومت کے لداخ پر حملہ کرنیکے لئے اوتم بھڈیال کے ساتھ مشورہ کیا - اور آخر کار - ان دونوں نے ایک مہم تیار کی جسکو لیکر میاں زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ پر جس کے متعلق اُس کو پیشتر سے کوئی علم نہ تھا چڑھائی کی +

اس مہم نے پہلے پرگنہ سورو کرگل - اور دراس کو فتح کیا - پھر جبکا کو سکھوں کی عملداری میں شامل کیا - لیکن لداخ فتح نہو سکا +

سنہ ۱۸۹۰ بکرمی میں زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ پر چڑھائی کی - اور چھوا چیپل

نے جو لداخ کا راجہ تھا - یہ سوچکر کہ جنگجو ڈوگروں کے ساتھ مقابلہ کرنا باعث بربادی ہوگا - جنگ نہیں کیا - بلکہ زور سنگھ کے پاس حاضر ہو کر اُس نے اطاعت قبول کی - اور تیس ہزار روپیہ سالانہ باج دینے پر رضامند ہوا - جس میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے پیچھے سے پانچ ہزار روپیہ کم کر کے صرف پچیس ہزار روپیہ سالانہ خراج لینا منظور کیا +

اسی اثنا میں زور آور سنگھ کلہوریہ کی خوش نصیبی سے جسکو ملک گیری کا بہت شوق تھا - احمد شاہ والئے اسکردو اور اُس کے بیٹے محمد شاہ میں نفاق ہو گیا - بوجہ جس کے محمد شاہ اسکردو سے بھاگ کر لداخ میں زور آور سنگھ کے پاس آگیا - اور بہادر زور آور سنگھ نے خوش ہو کر یہانتک اس کو پناہ دی - کہ واپسی کے وقت اُس کو لداخ کے راجہ کے حوالہ کر دیا +

لیکن زور آور سنگھ کی واپسی کے بعد محمد شاہ کے ساتھ اچھا سلوک نہوا جو ہیں لداخ کے راجہ نے دیکھا - کہ اُس کا فتح کرنیوالا میاں اُس کی نظروں سے غایب ہو کر بہت دور چلا گیا ہے - تو اُس نے محمد شاہ کو اُس کے باپ کے پاس پیادہ پا اسکردو میں بھیجدیا - بوجہ جس کے اس بیچارے کو موسم زمستان میں برفانی راستہ سے گذر کر اسکردو کو جانے سے صرف اُس کے پیر ہی برفوں سے نہیں سڑ گئے تھے - بلکہ جب وہ اسکردو میں پہونچا - تو وہاں بھی اُسکا باپ اُسکے ساتھ بہت بری طرح پیش آیا +

میاں زور آور سنگھ کو جب معلوم ہوا - کہ لداخ کے راجہ نے محمد شاہ کے ساتھ ایسا خراب سلوک کیا ہے - تو آگ بگولا ہو کر موسم بہار کے شروع ہوتے ہی گندہ بہار کے بادل کی طرح پھر لداخ پر چڑھ آیا - راجہ موجودہ پر بہترین جہان اُس نے چھو کھچل کو گدی سے اُتار کر اُس کی جگہ ایک شخص موسومہ من چین کو راجہ بنایا - اور لداخ اوچ گٹیا کو اُس کا وزیر مقرر کر کے واپس چلا آیا - لیکن ابھی وہ جسد مقام پر نہیں پہونچا تھا - کہ ڈوگرہ سنگھ تھانہ دار دراس اور کرگل کو چھوڑ کر میاں سنگھ

گورنر کشمیر کا آوردہ تھا۔ راجہ علی شیر والئے کرتک نے فتح سنگھ جوگی کے اشارہ سے مار ڈالا جس پر اُس کو حکم ہوا کہ موقعہ پر جا کر مجرمان کی گوشمالی کرے بلکہ رحیم خان پشکومہ اور راجہ احمد شاہ والئے اسکردو کو بھی سزا دیوے۔ جنہوں نے کہ مجرم کو پناہ دی ہے +

بہار کے شروع ہوتے ہی میان زور آور سنگھ نے پھر چڑہائی کی۔ اور بجلی کیطرح اسکردو میں پہونچ جاتے ہی قلعہ ارمن کو سر کرلیا۔ جس کا بانی افراسیاب پشنگی بتلایا جاتا ہے۔ اور بوجہ مضبوطی کے خاص شہرت رکھتا ہے +

راجہ احمد شاہ نے اس موقعہ پر ایک قلعہ میں پناہ لی۔ جس میں وہ بہت دنون تک محصور رہا۔ اور آخر کار مجبور ہو کر قلعہ سے باہر نکلا۔ اور بہادر میان کے حضور میں باظہار اطاعت حاضر ہوا۔ جس نے اُس کو معافی دیکر مہربانی کے ساتھ رخصت کیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ پابندی لگادی۔ کہ احمد شاہ اپنا وزیر اپنے بیٹے محمد شاہ کو بنادے۔ اس چڑہائی میں میان زور آور سنگھ نے چھوٹے چھوٹے راجگان کہپلو۔ ورندو۔ اور کراشک کو بھی مغلوب کرکے اُن کو سالانہ باجگذار بنالیا +

ان فتوحات کے بعد رحیم خان پشکومہ بھی گرفتار ہو کر قید کیا گیا جس کے بعد میان زور آور سنگھ نے ایک دستہ فوج کا قلعہ اسٹور کے سر کرنے کے لیے زیر کمان ٹہین شاہ روانہ کیا۔ اس قلعہ میں راجہ جبار خان بیس یوم تک لڑتا رہا جس کے بعد خوراک کے ختم ہو جانے سے اُس نے چند شرائط پر اطاعت کی۔ اور قلعہ کا محاصرہ اُٹھایا گیا +

بعد اس دارو گیر اور رحیم خان پشکومہ کی گرفتاری کے یہان سے زور آور سنگھ واپس لوٹا۔ اور لداخ میں پہونچا۔ جہان اُس نے چھوکہ چیل کے متوفی نواسہ کو دونگل کی گدی پر بٹھایا۔ اور مورت من چین والئے لداخ کو معزول کرکے قید کیا۔ کیونکہ مگنا تہانہ دار نے اُس کی بہت شکایت کی تھی۔

چھوکہ چیل متوفی کے نواسہ کو اس واسطے متوفی مذکور کا جانشین بنایا گیا۔ کہ جس وقت ڈوگرہ فوج نے اسکردو پر چڑہائی کی تھی۔ چھوکہ چیل زندہ تھا وہ ڈوگرہ مہم کے ساتھ اسکردو کو گیا۔ اور ڈوگرہ فوج کو ہر ایک قسم کی مدد دیتا رہا۔ لیکن مورت من چین نہ مہم کے ہمراہ گیا۔ نہ اُس نے کسی قسم کی امداد دی۔ لداخ میں ٹہین شاہ پر بھی بوجہ اُس کے کسی بداعمالی کے آفت آئی جسپر وہ قید کیا گیا۔ اسکے بعد موضع شام چیک کے چھ سو آدمی جنکو شرہا کہتے ہیں۔ سرکش ہو کر قلعہ لداخ کا محاصرہ کر بیٹھے۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک قائم رہا جسکے بعد ڈوگرہ فوج کی کمک پہونچی اور اُسنے سرکشون کو مار بھگایا +

ڈوگرون کا لداخ کے آگے جاکر ملک گیری کرتے ہوئے تباہ ہونا

جب زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ تک تمام کوہستان فتح کرلئے۔ اب اُسکو لداخ سے آگے چڑہائی کرنیکی سوجھی جس خیال سے اُس نے فوج کو لداخ میں جمع کیا۔ اور پہلے گر پر حملہ کرنا چاہا۔ گر پر حملہ کرنیکے واسطے اُس نے فوج کے چار حصہ کئے۔ پہلے حصے کی کمان اُس نے ایک شخص مسمی مگنا کو دی۔ جسکو حکم ہوا۔ کہ دریائے چرنگ سنگپے کبہس کے طرف سے آگے کو بڑہے دوسرے حصے کی کمان چودہری پہولا اور سبہن بہوٹے کو ملی۔ اور دونون کو حکم ہوا۔ کہ شیمی گنگ کو عبور کرکے اُسی راستہ سے گر پر حملہ آور ہون۔ تیسرا حصہ بسر کردگی میان ان سنگھ اور سنگہاٹرا انرساہ لوبرا روانہ ہوا۔ چوتھے حصے کی کمان خود میان زور آور سنگھ نے لی۔ اور لوبا میں سے گذر کر اُسنے پوردلا میں قیام کیا ::

ڈوگرہ لوگ گر سے ابھی بارہ کوس دور ہی تھے - کہ تبتی لوگ مقابلہ کیلئے آموجود ہوئے - اور ایک خونخوار جنگ شروع ہوا - جس میں میان مان سنگھ کا لڑکا مارا گیا - اور تبتیون نے بہت سخت مقابلہ کیا - لیکن آخر کو نقصان برداشت کرنے کے بعد مغلوب ہوگئے اور ڈوگرون نے گر کا قبضہ کر لیا +

گر کی فتح کے بعد ڈوگرے مان تلائی کیطرف بڑہے - جو یہان سے ۱۲ دن کی مسافت پر ہے - لیکن ڈوگرے وہان تین یوم میں ہی پہونچے - جہان سے مان مرگ کو جاتے ہوئے پھر اُن کا مقابلہ تبتیون نے بہت زور و شور سے کیا لیکن اس موقعہ پر بھی کہیت ڈوگرون کے ہاتھ رہا - اور قلعہ گردوک پر قابض ہوئے - اس فتح سے ڈوگرے اُس نام کے ضلع کے مالک ہو گئے جسکی حکومت انہون نے وزیر کو دی +

تبتیون کا قول ہے - کہ زمانہ قدیم میں اس ملک کو مان دہاتا نے فتح کیا تھا - جن کی راجدہانی ملک مالوہ اور اغلباً اودکار ناتھ میں تھی جس کے کہنڈرات وہان اب تک نظر آتے ہیں - بلکہ سنہ ۱۸۹۹ء میں مولف نے بھی خود دیکھے تھے تبتیون کے قول کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے - کہ علاقہ تبت میں بہت سے مکانات اور جھیلون کے نام ابتک مان دہاتا کے نام سے مشہور ہیں - جیساکہ مان تلائی - مان سرور - اور مان پولا وغیرہ +

بعد فتح گردوک کے ڈوگرون نے پورنگ بھی فتح کیا - جہان انہون نے ایک ماہ تک قیام رکھا - اور اپنی فتوحات کی یادگار میں ایک نیا قلعہ بنایا بلکہ ایک بڑے چٹان پر جو ابتک وہان موجود ہے - اور تبتیون اور ڈوگرون کی سرحد تصور کیا جاتا ہے سنسکرت اور بہوٹی زبان میں اپنی فتوحات کا سال اور مختصر حال کہدوایا +

قلعہ پورنگ کے ایک طرف انگریزی علاقہ اور دوسری طرف نیپالیون کی حکومت کی سرحد ہے +

اسطرح ڈوگرون کے پورنگ میں آجانے سے اور اُن کی فتوحات سے گرد و نواح کے ملک میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی - حتی کہ نیپالیون کا ایک افسر مع ایک سو بیس نوکر چاکرون کے زورآور سنگھ کے قیامگاہ میں اُسکے آیندہ ارادہ اور حرکات کا حال دریافت کرنے کو پہونچا - زورآور سنگھ نے اُس کی خاطر تواضع اُس کے درجے کے مطابق کی - اور تین چار روز تک وہ زورآور سنگھ کے پاس بطور مہمان کے رہا - جس عرصہ میں اُس نے بہت کوششین کیں کہ ڈوگرے اور نیپالی انگریزون کے برخلاف اتفاق کر لیوین - لیکن زورآور سنگھ نے اُس کی یہ درخواست بالکل منظور نہیں کی +

پورنگ سے زورآور سنگھ مان تلاسی کو گیا - یہان ایک ہفتہ قیام رکھا - پھر لاکہن گری کو گیا - اور لاکہن گری سے کیلاس کو بڑہا - جہان تین یوم قیام کیا - یہان وہ ایک مندر بنانا چاہتا تھا - مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی -

زورآور سنگھ کی فتوحات نے لاسہ میں بہت تشویش پیدا کر رکھی تھی - بوجہہ جسکے ایک تبتی جرنیل بسرکردگی ایک فوج عظیم کے اُس کی سرکوبی کو آیا اس جرنیل کا نام بقول ڈوگرون کے چہک ادوت تھا - زورآور سنگھ کو اُس کے قریب آجانیکی بابت موقعہ خبر ملگئی تھی - مگر اُسکو خیال ہوا - کہ مثل نیپالی افسر کے وہ بھی اس کے ملاقات کو آرہا ہے - اور یہ خیال کرکے وہ اوس کا انتظار مان سرور میں کرنے لگا +

لیکن چہک ادوت بجائے مان سرور کے قلعہ گورونگ پر حملہ آور ہوا - قلعہ گیر فوج نے مقابلہ کیا - اور بجز ایک شخص کے سب قتل ہوگئے - اس ایک شخص کا نام جیرو کوتوال تھا - جو یہ خبر لیکر زورآور سنگھ کے پاس پہونچا +

اب زورآور سنگھ کی آنکھیں کہلیں - اور خطرہ معلوم ہوا - بوجہہ جس کے اُس نے کچھ فوج زیر کمان میان مان سنگھ نگہارا اور بہوپا کوتوال کے چہک ادوت کے مقابلہ کے لئے فوراً روانہ کی - دوسری طرف تمام افسرون

کی مستورات کو معہ اپنی عورت کے لداخ کو واپس بھیجدیا۔ اس کے بعد وہ دشمن کے ساتھ ایک خونخوار جنگ کرنیکے واسطے مرنے اور مارنے کیلئے تیار ہو گیا +

لیکن سامان تمام اُس کے برخلاف تھے۔ نہ لکڑیاں موجود تھیں۔ اور نہ خوراک کا ذخیرہ ہی موجود تھا۔ کھانے پینے کا تمام سامان ختم ہو چکا تھا۔ مزید بران اوسکی بدنصیبی سے برف پڑ گئی۔ سردی اور برودت اس کثرت سے ہو گئی۔ کہ ندیاں نالے چشمے اور دریا سب جم گئے +

ڈوگرہ بیچارے گرم ملک کے رہنے والے تھے۔ سب کے سب بھوک پیاس سے جان بلب اور سردی سے ٹھٹھر کر ادھ موئے ہو گئے۔ ادھر چینک اودت نے قلعہ گیر فوج کو تہ تیغ کر کے چاروں طرف دارو گیر اور قلعہ گیری شروع کر دی۔ جو ڈوگرہ جہاں نظر آتا۔ اُس کو مار ڈالتا۔ جب تمام قلعے یکے بعد دیگرے اسطرح قبضہ میں آگئے۔ پھر یہ جرنیل زورآور سنگھ کی مزاج پرسی کو بڑھا۔ جو اپنی تمام فوج کیساتھ پورنگ میں اس کا انتظار کر رہا تھا +

یہاں ایک دست بدست جنگ ہوا۔ ڈوگروں کا کام تو بھوک پیاس اور سردی نے پہلے سے ہی تمام کر رکھا تھا۔ چینک اودت نے سب کو گھیر کر گاجر مولیوں کیطرح کتر ڈالا۔ اور زورآور سنگھ کے ساتھ تو ایسی سختی کی۔ کہ اسکی ایک ایک بوٹی تمام تبتیوں نے نوچ نوچ کر کھالی۔ اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ اس تباہی میں سے بجز ایک ڈوگرہ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ اس ڈوگرہ کا نام منتھ بستی رام تھا جو ایک گھوڑا لیکر پہاڑوں سے ہو کر جموں میں پہونچا۔ اور جب وہ وہاں پہونچا۔ تو پھر ڈوگرہ فوج کی اس نہایت افسوسناک تباہی کی خبر حکام بالا کو ہوئی +

ڈوگرہ فوج کی تباہی کے بعد تبت خورد کی بغاوت اور دیوان ہری چند کی چڑھائی

ڈوگرہ فوج کی جو تباہی پورنگ میں ہوئی۔ اُس کی شہرت سنکر تبت خورد کے تمام نو مفتوح علاقوں کو بغاوت کی سوجھی۔ اور لداخ سے لیکر کشمیر کی حد تک سب کے سب سرکش ہو گئے۔ لداخ میں کلن ورچک کلن درگا اور روزنا چین نے سرکشی اختیار کی۔ اور اسکردو میں احمد شاہ نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ حتیٰ کہ ان سے چھوٹے درجے کے جو زمیندار۔ نمبردار یا رئیس اور سرآوردہ لوگ تھے۔ وہ بھی سب ان باغیوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور خود مختاری کا دم بھرنے لگے +

اس بغاوت کا اسقدر زور بڑھا۔ کہ پورنگ سے ڈوگرہ سرداروں اور فوج کی جو مستورات کی ٹولی زیر کمان کمیدان پہلوان سنگھ اور منشی گورند تا کوچ اور مقام کرتے ہوئے لداخ میں داخل ہوئے +

باغیوں کے خوف سے یہاں اُن کو قلعہ میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ اور چھ ماہ تک بلا امید امداد اسی قلعہ میں بند رہنا پڑا۔ لیکن بمقابلہ باغیوں کے قلعہ میں پناہ لینے والوں کی اور قلعہ گیر فوج کی تعداد اس قدر کم تھی۔ کہ اگر کمیدان تیغ سنگھ جس کو روانگی کشمیر کا حکم ہو چکا تھا۔ اور جو کشمیر کا سفر کرتے ہوئے لداخ سے بہت دور ہو گیا تھا۔ اگر ڈوگرہ فوج کی تباہی کی شہرت سنکر اپنی پلٹن کو جس کا نام فتح پلٹن ہے۔ واپس کر کے اُس پلٹن کے سمیت قلعہ میں داخل نہ ہوتا۔ تو قلعہ لداخ بھی معہ پناہ گیروں اور قلعہ گیر فوج کے باغیوں کے قبضہ میں آجاتا +

اب جموں کی خبر سنئی۔ جب یہاں فوج کی تباہی اور تبتیوں کی بغاوت اور ڈوگرہ

مستورات کے لداخ میں محصور ہونیکی خبر پہونچی - گھر گھر ماتم پڑگیا - انتقام گیری کا جوش سب کے دل میں پیدا ہوا - اور لداخ کے محصورین کی امداد اور ہمدردی کی پرجوش پکار سے تمام ملک گونج اوٹھا +

مہاراجہ گلاب سنگھ اس وقت ہزارہ میں تھا - اور جرنیل پالک کیواسطے جو پشاور میں تھا - رسد رسانی کا انتظام کر رہا تھا - کہ ماہ پھاگن سنہ ۱۸۹۶ بکرمی میں اُس کو بھی معلوم ہوا - کہ جانباز اور بہادر سردار زور آور سنگھ معہ ماتحت فوج کے پورنگ میں مارا گیا - اور نو مفتوح علاقہ سب ہاتھ سے نکل گیا ہے - اس خبر سے اُس کو اس قدر رنج ہوا - کہ جس کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے - بہر حال طبیعت کو قابو کیا - اور انتقام گیری کا ارادہ کر لیا - بس اب کیا تھا - بحکم مہاراجہ شیر سنگھ اپنا چارج پوربیہ پلٹن کو دیکر حسن ابدال کی راہ پکڑی - یہان سے ہری پور ۱۵ میل کے فاصلہ پر تھا جس مسافت کو دیوان ہری چند نے ایک ہی دن میں طے کیا - یہان اس نے ایک دن کا وقفہ ڈالکر اور راجہ دہیان سنگھ سے مشورہ کر کے فوراً امیر پور کو روانہ ہو گیا +

میر پور میں دیوان ہری چند نے پندرہ روز تک قیام رکھا - اور فوج کی کمان تقسیم کر کے آخر کار چھ ہزار فوج اور کچھ توپین لیکر از راہ اوڑی منزلیں مارتا ہوا - کشمیر میں پہونچا کشمیر میں چونکہ آیندہ سفر کیلیئے مزدورون کی ضرورت تھی - اس واسطے دیوان صاحب مذکور کو یہان بھی دو ہفتون کا قیام کرنا پڑا - اور اس عرصہ میں شیخ محی الدین گورنر کشمیر کا مہمان بنا رہا +

پندرھوین روز شیخ محی الدین نے پانچ ہزار مزدور بہم پہونچا دے - اور مہم نے آیندہ سفر شروع کر کے آٹھوین دن دراس میں قیام کیا - جہان کا تھانہ دار گمنا تھا - تھانہ دار مذکور کو جس وقت مہم مذکور نظر آئی - خوشی کے مارے آنکھون سے پانی جاری ہوا - اور وفور شادی سے نعرہ مارتا ہوا آگے جا ملا +

اس وقت دیوان ہری چند کے پاس ایک رپورٹ سوچیتا تھانہ دار کرگل

کی پہونچی اُس میں اُس نے لکھا تھا - کہ مدد فوراً پہونچے - ورنہ میرا اور میرے ماتحتون کا خاتمہ ہو جائیگا +

اب باغیون کا حال سنئے - انہون نے جب سُنا - کہ اُن کی سرکوبی کے لئے ڈوگرون کی مہم آرہی ہے - تو مہم مذکور کے سدراہ ہونے کے لئے انہون نے دریائے سندھ پر دو زبردست برج بنائے اور نیت یہ کی - کہ جب ڈوگرہ فوج اس موقعہ پر پہونچے - تو ان برجون میں سے اُن پر بندوقون کی بوچھاڑ کر کے اُن کو آگے نہ بڑھنے دینگے - اور یہان ہی مار ڈالینگے +

لیکن دیوان ہری چند ایک جنگ آزمودہ شخص تھا - اُس نے آیندہ راستہ کی کیفیت اور ان برجون کی حالت پہلے سے ہی دریافت کر رکھی تھی - ادہر تو اُس نے جمعدار رام سنگھ کو تین ہزار فوج اور کچھ توپین دیکر کرگل کو روانہ کر دیا - کہ وہان پہونچکر باغیون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کرے - ادہر حسب مشورے اور شمولیت وزیر رتنو کے کمال احتیاط کے ساتھ آگے بڑہنا شروع کیا - اور برجون کے نزدیک پہونچکر ایک طرف سے وزیر رتنو نے اور دوسری طرف سے اُس فوج نے جو دیوان مذکور نے اس کام کے لئے خود اپنے ماتحت رکھی تھی - گولہ باری شروع کر دی - بلتی لوگ اپنی طرف سے جان توڑ کر لڑے - لیکن اُنپر صرف دیوان یا وزیر کی ماتحت والی فوجین ہی حملہ آور نہ تہیں - بلکہ جو ڈوگرے قلعہ میں محصور تھے - وہ بھی قلعہ سے نکلکر پیچھے سے اُن پر ٹوٹ پڑے - اور اس طرح سے بلتیون کا ناک میں ایسا دم آیا - کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی بات ہو گئی - اور آخر کار اُن کے ایسے پیر اوکھڑے - کہ بہت آدمی گھبرا کر دریا میں ڈوب مرے - بلتیون کا نقصان اس جنگ میں دو سو آدمیون کی ہلاکت ظاہر کیا گیا ہے - لیکن ڈوگرون کا نقصان کچھ بھی نہیں بتایا گیا ہے - فتح حاصل کرنے کے بعد ڈوگرون نے دریا کو عبور کیا - دونون برجون کو گرادیا - اور قلعہ میں داخل ہو کر ایک دن قیام رکھا - جس قیام میں ایک

جنگ کے نقصان شدہ سپاہیوں کو جو مر گئے تھے۔ پھونک ڈالا۔ جو زخمی ہو گئے تھے۔ اُن کی مرہم پٹی کی۔ اور جو سپاہی گھیرے میں آئے ہوئے تھے۔ اُن کے بہادرانہ مقابلہ کی بہت تعریف کر کے فی سپاہی بیس بیس روپیہ انعام دیا +

دوسرے دن مہم آگے کو بڑھی۔ اور ایک موقعہ پر خبر ملی۔ کہ چھک اودت اور علیخان پشکومہ مقابلہ کرنیکو آرہے ہیں۔ جس پر دیوان ہری چند دو پلٹین اور ایک دستہ رسالہ کا لیکر اُن کے مقابلہ کے لئے خود بڑھا۔ لیکن چھک اودت معہ فوج کے دم دبا کر بھاگ نکلا۔ البتہ علی خان پشکومہ معہ اپنے دو سو ہمراہیوں کے جنگ آزما ہو کر کالو برہمن کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور بوجہ اس کی ہلاکت کے اُس کے باقی آدمی بھاگ نکلے۔ دیوان مذکور نے کالو برہمن کو اس بہادری کے صلہ میں جمعدار بنایا اور سونے کا ایک کنٹھا بخشا +

یہاں فوج نے دو تین یوم قیام رکھا۔ اور تازہ دم ہو کر لبہ اور لمبرو کا رخ کیا اور یہاں بھی دو دن قیام رہا پھر مہم مذکور کوچ کر کے فلسی کو پہونچی +

جنگ چرا اور نواسان اور تبتیوں کی کامل شکست

جب دیوان ہری چند معہ اپنی فوج کے فلسی میں پہونچا۔ تو دیکھتا کیا ہے کہ تبتیوں نے دریائے سندھ کے اُس پل کو جو اس جگہ تھا۔ نیست و نابود کر کے دریا کا پانی اسطرح سے روک رکھا تھا۔ کہ جس علاقہ میں سے ہو کر دیوان مذکور کی ماتحت فوج نے گذر کرنا تھا۔ وہ علاقہ سر بسر غرق آب ہو گیا۔ اس چند روزہ قیام میں ڈوگروں نے صرف دریا پر پھر ایک نیا پل ہی نہیں بنایا۔ بلکہ بند توڑ کر وہ تمام پانی بھی خارج کر دیا۔ جس نے کہ سفر کرنے کا تمام راستہ غرق آب کر رکھا تھا۔ یہ دونوں کام بہت مشکل تھے لیکن

ڈوگروں کی سخت جانفشانی سے سہل ہو گئے۔ یہ پل ابھی موجود ہے۔ اور بجز اُس کے اور کوئی راستہ نہیں ہے جس کے بعد فوج نے کوچ کیا۔ اور آخر کار چند یوم کے بعد لشکر میں جا داخل ہوئی۔ جہاں دیوان نے کل فوج کے دو حصے کر دئے۔ جن میں سے ایک حصہ یا ڈویزن کی کمان اُس نے وزیر رتنو کو دی۔ اور دوسرا حصہ اپنے ماتحت رکھا۔ وزیر رتنو کی فوج دریا کے کنارہ کنارہ فلسی سے اوپر کی جانب چل پڑی۔ یعنے اوسطرف کو روانہ ہوئی کہ جس طرف سے دریا آتا ہے۔ اور دیوان ہری چند کی فوج نے ایک اور جانب سے پیش قدمی کی۔ راستہ میں دشمن سے فوج کے کسی ڈویزن کا بھی ٹاکرہ نہوا لیکن لداخ سے دو میل کے فاصلہ پر معلوم ہوا۔ کہ چھک اودت کی جانب سے چھ سات ہزار آدمیوں کی فوج اُنکے مقابلہ کے لئے اُس جگہ موجود ہے +

مگر دیوان ہری چند ایسا خوش نصیب نکلا۔ کہ اُس کی فوج کی آمد کا آواز سنکر تبتی لوگ یہاں سے بھی مقابلہ کرنے کے بغیر ہی کافور ہو گئے۔ اور ڈوگروں نے اس مقام کو بھی ایک بندوق چلانیکے بغیر ہی سر کر لیا۔ اب ڈوگروں نے قلعہ لداخ کو جو کہ مدت سے محصور تھا مخلصی دینے کے لئے جلد جلد قدم اٹھائے۔ اور لداخ میں پہونچنے پر بھی کوئی جنگ نہوا +

چھک اودت کا بھائی جس نے اس قلعہ کا محاصرہ ڈال رکھا تھا۔ ڈوگروں کی شکل دیکھتے ہی محاصرہ اُٹھا کر نوک دم بھاگ نکلا۔ لیکن محصورین کے اسقدر حوصلے بڑھے۔ کہ اُن میں سے پہلوان سنگھ۔ تیغ سنگھ۔ اور منشی گوردتہ نے اُس کا سخت تعاقب کیا +

دوسرے دن دیوان ہری چند نے موضع بہرنگ میں قیام کیا۔ یہ گاؤں لداخ سے دو میل آگے ہے۔ یہاں سے کشمیری مزدور انعام پا کر رخصت کئے گئے۔ اور قلعہ لداخ کی محصور فوج کو چھ ماہ تک دشمن کے آگے رہنے اور کمیدان پہلوان سنگھ۔ تیغ سنگھ اور منشی گوردتا کے احکام کی تابعداری

کرنیکے صلہ میں پانسو روپیہ بطور انعام ملے۔ مگر جن سپاہیون کو زخم لگے تھے اُن کو علاوہ پانسو روپیون میں سے حصہ پانیکے فی سپاہی بیس بیس روپیہ انعامون کی تقسیم کے بعد ایک ہزار جوان میان جواہر سنگھ کے زیرکمان جسکار کا علاقہ سر کرنیکو۔ اور پانسو جوان زیرکمان ایک نرانیان میان کے لوبراہ کا قبضہ کرنیکو بھیجے گئے ✚

چہک امت اسوقت قلعہ رودک میں تھا۔ جب اُس نے سنا کہ ڈوگرے جسکار اور لوبراہ پر بھی چڑہائی کرنے لگے ہیں۔ تو اپنے بھائی کو جسکا نام اچہن جوت تھا۔ ایک ہزار جوان دیگر جسکار اور لوبراہ کیطرف بڑہنے والے ڈوگرون کی روک تہام کے لئے روانہ کیا۔ بلکہ اب کی دفعہ اُس کے ساتھ اور بھی ایک سردار کو جس کا نام کرن شاہ تھا۔ اور جو کیلون کے راجہ کا بھائی تھا لگا دیا۔

جب اچہن جوت چمراہ کے مندر کے قریب پہونچا۔ جہان سے لداخ دس کوس پرے رہ جاتا ہے تو اُس نے ڈوگرون پر چھاپہ مارنیکی ٹھہرائی۔ لیکن یہ راز کسی طرح مندر نرکہانہ کے پوجاری پر کہلگیا جس نے اس کی اطلاع دیوان کو فوراً دیدی۔ اور اُس نے کسیقدر اور خارج کو زیرکمان میان سرموہ سنگھ اور منشی گوراندتا کے اس غرض سے روانہ کیا۔ کہ راستہ میں موقعہ دیکھکر اچہن جوت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے۔ اور اُس سے دقت پر اپنے سابقہ روانہ شدہ بھائیون کا ہاتھ بٹا دے ✚

چنانچہ چمراہ کے مندر کے قریب اس فوج کا تبتیون کے ساتھ مقابلہ ہوگیا۔ اور لڑائی چھڑ گئی جس میں تبتیون نے سخت شکست کہا کر قلعہ چمراہ میں پناہ لی۔ مگر فتح یاب ڈوگرون نے یہان اُن کو محصور کر لیا۔ جب دیوان ہری چند کو اس فتح کی خبر ملی۔ اور اُس نے سنا۔ کہ اُس کی فوج نے تبتیون پر محاصرہ ڈال رکھا ہے۔ تو جس قدر فوج لداخ میں تھی۔ اُس میں سے صرف ایک پلٹن کو لداخ میں چھوڑ کر باقی تمام فوج کو ہمراہ لیکر اپنی محاصرہ کرنے والے

بہادر ڈوگرون کی مدد کو پہونچا۔ تبتیون نے محصور ہو کر سخت مقابلہ کیا۔ لیکن ڈوگرون نے اُس کے مندر نما قلعہ کی دیوارون میں تین چار شگاف کر کے اندر اُس میں راستہ بنا ڈالے۔ اور اُن کا پانی بھی بند کر دیا۔ بلکہ چوتھی روز اُن کے پاس کچھ کہانیکو بھی نہ رہا ✚

جب اس طرح سے تبتیون کا دم ناک میں آیا۔ تو اُنہون نے آمان چاہی۔ اور چند رعایتون کے حاصل ہونے پر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور اپنے آپ کو فتح یاب ڈوگرون کے رحم پر چھوڑ دیا ✚

دروازہ کے کہلنے پر دیوان ہری چند کے حکم سے بخشی نہال چند قلعہ کے اندر داخل ہوا۔ جہان تبتیون کے ہتھیار چھینے گئے۔ اور سوائے چھ سو نامی اشخاص کے باقی تمام تبتی چھوڑ دئے گئے ✚

جو تبتی اسیر سلطانی بنائے گئے تھے۔ ان میں اچہن جوت اور کرن شاہ بھی شامل تھا۔ جو معہ دیگر تمام قیدیون کے لداخ کو روانہ کئے گئے۔

اس فتح کے بعد دیوان ہری چند چار یوم تک وہان ہی قیام پذیر رہا۔ اور لوگون کے ساتھ اُس نے ایسا عمدہ برتاو کیا۔ کہ امن بخوبی قایم ہوگیا۔ چار یوم کے بعد اُس جگہ کی حکومت دیوان مذکور نے میان سرموہ سنگھ اور رانجی مل کے سپرد کر کے خود لداخ کو چلا آیا۔ جہان سے اس فتح کی ایک مفصل رپورٹ اس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو لکھی جس کے جواب میں اُس کو حکم آیا۔ کہ جو تبتی سردار جنگ میں قید ہوئے ہیں۔ اُن کی عزت کیجائے اور اُن کے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے سلوک کیا جائے۔ آٹھ دن کی قید کے بعد تبتی سردارون کے حوصلے ایسے ٹوٹے کہ اول تو انہون نے شور کیا۔ کہ ہم لوگ آزاد کیون نہیں کیجاتے۔ اور جب دیکھا۔ کہ اُن کے شور و غوغا پر کوئی بھی توجہ نہیں کرتا ہے۔ تو اپنے پہرہ والون پر حملہ آور ہونیکے بعد سب کے سب بھاگ نکلے۔ بعضے کچھ وقت کے بعد ندیون کے ذریعہ چل پڑے

بعضون نے پہاڑون کی چٹانون پرچڑھ کے اپنے تعاقب کرنے والون پر پتھر برسانے شروع کئے +

اور پہاڑون کی چوٹیون پر بوجہ گھبراہٹ کے ایسی بے احتیاطی سے چڑھتے تھے کہ لوٹ پوٹ ہوکر ایک دوسرے پر گر پڑتے تھے +

اس طرح سے ان کوتاہ اندیش بے ہتھیار بھاگتے ہوئے تبتیون کا ڈوگرون کے ساتھ ایک اور جنگ ہوا جس میں دو سو تبتی قیدی اپنی جان پر کھیل گئے اور چار سو پھر زندہ گرفتار ہوئے +

جب چھک ادت کو معلوم ہوا کہ اُس کا بھائی معہ دیگر سردارون کے ہمراہ کے جنگ میں شکست کھا کر قید ہو گئے ہیں۔ تو آگ بگولا ہو کر بہ شمولیت گیالپو گلگت کے سوا ان کو جنکے نام چاپانے ت۔ جگو کلھن اور زرشے کیرچھک اپنی فوج کو لیکر ایک مقام پر پہونچا جہان سے لداخ صرف ۱۲ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور اس موقعہ پر سخت مقابلہ کرنیکی نیت سے اُس نے اپنی فوج کی پناہ کے لیے اپنے کیمپ کے گرد ایک نہایت مضبوط دیوار کھینچ لی۔ ادہر جب سردہور سنگھ اور رامجی مل کو معلوم ہوا کہ دشمن ایک فوج کثیر لیکر ایک طوفان عظیم کیطرح بڑہ رہا ہے۔ تو اس خوف سے کہ مبادا دشمن دفعتاً آپڑے۔ اور چھاپہ مارے۔ انہون نے فوراً دیوان کو ایک رپورٹ بھیجی جس سے خبر پاتے ہی لداخ میں دیوان مذکور نے پہرہ کیواسطے صرف ایک سو جوان چھوڑے۔ اور باقی تمام فوج کو ہمراہ لیکر رام جی مل اور میان سردہور سنگھ کی حمایت کو پہونچا۔ اور قلعہ درگا کے قریب پہونچکر قیام کیا۔ جہان جہان چھک ادت نے دفعتاً بوقت شب چھاپہ مارا۔ مگر دیوان اُسکی شبخونی کا جواب دینے کو پہلے سے ہی تیار بیٹھا تھا +

اس جنگ میں ڈوگرون نے صرف آگ برسانی ہی شروع نہیں کی۔ بلکہ نشانے وہ تاک تاک کر مارے۔ جو تبتیون کا سردار نظر آیا۔ چت کر دیا اور ساتھ ہی آگے کو بھی بڑھتے گئے۔ جس سے اُن کے بالکل قریب آجانے پر دست بدستی

جنگ بھی شروع ہوا۔ جو نہایت تندی کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا جسکے بعد اہل تبت نے ہرطرف سے بھاگنا اور ڈوگرون نے ان کا تعاقب کرنا شروع کیا۔ حتی کہ اہل تبت نے بھاگتے بھاگتے قلعہ تنوا سان میں پناہ لی۔ اور ڈوگرون نے اُن کا گھیرا ڈال لیا +

مگر اہل تبت بہ نسبت پیشتر کے یہان بہت سخت خطرناک ثابت ہوئے۔ کیونکہ محاصرہ کے چوتھے دن انہون نے ایک سرنگ اُڑائی جس سے قریب تین سو ڈوگرون کے مارے گئے۔ جن میں بنا سنگھ کمیدان بھی جو کہ ڈوگرون کا ایک نامی سردار تھا۔ شامل تھا +

قلعہ روکہہ سون ۸ دن تک محصور رہا۔ آٹھوین دن محصورین کی خوراک ختم ہو گئی۔ جس پر انہون نے امان پانیکی خواہش ظاہر کی۔ اور قاضی نادر علی اور وزیر متصدی اُن کے پاس بھیجے گئے۔ جنہون نے قلعہ میں داخل ہو کر تمام تبتی فوج کے ہتھیار لیکر افسرون کو نظر بند کیا۔ اور عام سپاہیونکو رخصت کر دیا +

تبت والون کے جو سردار یا فوجی افسر اس جنگ میں قید ہوئے تھے۔ انمیں سے بہت نامور سردارون کے نام حسب ذیل ہیں +

سورنی چن جو ایک گپنے کا راجہ تھا۔ احمد شاہ والئے اسکردو۔ کلھن زرچنگ بربان اچھہ جوت کرن شاہ۔ اور بزگوہ کلھی جو لداخ میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور مقابلہ کرنے پر مارا گیا +

میان زورآور سنگھ کلھوریہ کے مارے جانے پر جو توپین بندوقین اور دیگر اسلحہ اہل تبت کے ہاتھ آئے تھے۔ ڈوگرون کو اس جنگ میں وہ ہتھیار اور دیگر سامان سربسر ہاتھ آگئے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد دیوان ہری چند نے تبت والون کا ایک مشہور قلعہ بامیان تھا گروا دیا۔ اور بوجہ علیل ہوجانے کے ملک کا انتظام وزیر زتنو کے سپرد کر کے خود لداخ کو چلا آیا۔ جہان سے اُس نے اس فتح کی ایک مفصل رپورٹ مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس ارسال کی

جمون میں اس فتح کی یادگاری میں توپون کی سلامی ہوئی - اور تھوڑے ہی دنون کے بعد لداخ میں دیوان کے پاس حکم پہونچا جس کے مطابق ۲ ماہ اسوج سنہ ۱۹۱۹ کو دربار عام لگایا گیا - جس میں چھک ادت - کرن شاہ - اور زہر جنگ ہرمان کو خلعتین دی گئیں - اور ایک عہدنامہ پر جو ذیل میں درج ہے - ان سے دستخط کرائے جانیکے بعد وہ رخصت کئے گئے ◆

نقل عہدنامہ مابین مختارالدولہ دیوان ہری چند و وزیر رتنون مختاران مہاراجہ گلاب سنگھ

یہ عہدنامہ ۲ ماہ اسوج سنہ ۱۸۹۹ بکرمی میں لکھا گیا - مہاراجہ گلاب سنگھ کیطرف سے اس پر مختارالدولہ دیوان ہری چند اور وزیر رتنو نے اور سرکار چین کیطرف سے بخشی شنجوہ افسر افواج خاقان چین - اور لاسہ کیطرف سے فلون سوکان والہ نے دستخط کئے -

اس عہدنامہ میں حسب ذیل تین شرائط تہیں -

شرط اول - لاسہ اور چین کی جانب سے صلح و صفائی اور رابطہ اتحاد قایم کیا جایگا - اور مہاراجہ گلاب سنگھ کیطرف سے بھی اس شرط میں کوئی خلاف ورزی نہوگی -

شرط دویم - حدود لداخ جو قدیم سے مقرر ہے - اس میں لاسہ کسی قسم کی دست اندازی نہ کریگا -

شرط سویم - پشم شال اور چائے جو سال بسال لداخ کے راستہ آتی ہے - بدستور یہی جایا کریگی - اور لداخ کے راستہ جو سوداگر لوگ آمد و رفت کرتے ہیں - اون کے ساتھہ کسی قسم کی مزاحمت نہیں کیجائیگی -

شرط چہارم - مہاراجہ گلاب سنگھ کے کسی مخالف کو حدود لاسہ میں رہنے کی اجازت نہوگی - نہ اوسکی کسی بات پر توجہ ہوگی -

مہاراجہ گلاب سنگھ - دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کا راجہ بنایا جانا

میان ڈیڈو کا خاتمہ کرنے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو کوہستان بودل اور خسالی کے فتح کرنیکا بھی حکم دیا - چنانچہ اس نے ان دونون پہاڑون کو بھی معہ اور درمیانی علاقون کے جن پر چھوٹے چھوٹے اسلامیہ رؤسا حکمران تھے - عرصہ قلیل میں فتح کر لیا ◆

سکھون نے سندہ ملتان یا کسی اور جگہ میں ایسا کوئی جنگ نہیں کیا جس میں یہ تینون بھائی شامل نہ تھے - یا جس میں انہون نے نام پیدا نہ کیا ہو جیسی ان تینون بھائیون کی خدمات بڑی تہیں - ویسے ہی انہون نے انعام بھی بڑے حاصل کئے حتی کہ تینون بھائی راجے بنائے گئے - اور سب کو جاگیرون پہ جاگیرین ملیں - جمون مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملا - لیکن اس نے وہان کی حکومت اپنے باپ کے حوالہ کردی - دھیان سنگھ کو خسالی اور بھمبر کا علاقہ بخشا گیا - اور سوچیت سنگھ کو رام نگر عطا ہوا - مگر سوچیت سنگھ پر چونکہ سب سے زیادہ مہربانی تھی - اسواسطے اس کی کل جاگیر ڈیڑہ لاکھ روپیہ تک ہو گئی - اور دیگر بھائیون کو صرف ایک ایک لاکھ روپیہ کی جاگیر ملی تھی ◆

مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کے بھائیون کا عروج

بعضون کا خیال ہے - کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ان تینون بھائیون پر بیجا طرفداری کرتا تھا اور اس طرفداری کا باعث بھی کوئی ناجایز تھا - یہ ایک معاملہ ہی جسپر اس مختصر کتاب میں بحث کی گنجایش نہیں ہے - لیکن صاف بات تو یہ ہے

کہ یہ اُن کے دشمنون کو بھی ماننا پڑا ہے - کہ وہ بڑے دانا - دوراندیش اور معاملہ فہم تھے - بلکہ جو قیمتی خدمات انہون نے کی تہین - حق پسند مورخون نے اُن کو صاف طور پر تسلیم کیا ہے - جاگیرون کے ملنے کے بعد یہ تینون بھائی خالصہ حکومت کے اہلکاران عظام مین شمار ہونے لگے - اور اُن کے سپرد وہی کام کیجاتے تھے - جنکی انجام دہی کے لیے بہت ہی معتبر اور قابل اعتبار افسرون کی ضرورت پڑتی تھی +

سنہ ۱۸۱۸ء میں ملتان کی فتح کے متعلق جمعدار خوشحال سنگھ پر اور مصیبت آئی دیوان چند مصر نے جو کہ فاتح ملتان تھا - شہر مذکور کی فتح کے متعلق اُس کی بہت سی شکایت کی - نتیجہ اس شکایت کا یہ ہوا - کہ جمعدار مذکور کی جگہ راجہ دہیان سنگھ ڈیوڑھی کا افسر مقرر ہوا - جو شخص مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ڈیوڑھی کا افسر ہوتا تھا - دراصل وزیر اعظم وہی ہوتا تھا - بلکہ سنہ ۱۸۲۸ میں وہ علانیہ طور پر وزیر اعظم ہی بنایا گیا - اور راجہ راجگان ہندوپت کا خطاب بھی اُس کو ملا -

ہیرا سنگھ جو اُس کا بیٹا تھا - اُس کو بھی راجگی کا خطاب - اور جسروٹہ میں جاگیر ملی + گو کہ راجہ دہیان سنگھ بظاہر خالصہ حکومت کا وزیر تھا - جس عہدہ پر وہ اپنی قتل کے موقعہ تک تا عہد مہاراجہ شیر سنگھ برابر قایم رہا - لیکن دراصل مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیماری کے ایام میں وہ نایب سلطنت تھا - اور اُس کے مرجانے کے بعد بادشاہ وہی شخص بنتا تھا - جسکو کہ وہ بناتا تھا - سنہ ۱۸۲۹ء میں میان کشورا سنگھ جمون میں مر گیا - اُس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور میں اور مہاراجہ گلاب سنگھ امرگدہ میں تھا +

کشورا سنگھ کے مرنے پر جمون کی گدی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دہیان سنگھ کو بخشی تھی - لیکن اُس نے قبول کرنے سے انکار کیا - اور کہا کہ ہمارے خاندان کی رسم ہے - کہ باپ کا جانشین بڑا بیٹا ہوتا ہے - اس لیے یہ گدی مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملنی چاہئے - چنانچہ اس پر مہاراجہ گلاب سنگھ

امرگدہ سے لاہور طلب ہوا جہان جیو پوتا کے درخت کے نیچے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو خود راج تلک لگایا - وہ درخت اور وہ جگہ اب تک وہان کے لوگون کو بخوبی معلوم ہے - جمون کی گدی حاصل ہونیکے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ لاہور کو کبھی کبھی جایا کرتا تھا

سمت ۱۸۸۳ مطابق سنہ ۱۸۲۶ء میں جب انگریزی سفارت بسر کردگی الگزنڈر برنس صاحب کے آئی - اوس کی آؤبہگت اور پیشوائی کے لیے مہاراجہ گلاب سنگھ اور فقیر عزیز الدین مقرر ہوئے تھے - اس کے بعد سمت ۱۸۸۸ مطابق سنہ ۱۸۳۱ء میں جب لارڈ ولیم بنٹنگ صاحب بہادر اُس زمانہ کے گورنر جنرل ہند کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے چند نامی سردارون کو نواب گورنر جنرل موصوف کے پاس ابتدائی ملاقات کے لیے بھیجا - اُن میں سے ایک سردار مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر تھے + پھر لارڈ ولیم بنٹنگ موصوف کے ایام قیام اور رسم مہمانداری ادا کرنیکی حالتمیں جب لارڈ ممدوح کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھ سردارون کے جنگی کرتب دکھلائے - جن کی تعریف انگریزی افسرون نے بہت کی تھی - اس قسم کے کرتب کرنے والون میں سے پہلا کرتب راجہ دہیان سنگھ نے دکھایا تھا - جو عمدگی کے ساتھ مسلح ہو کر پوری آن بان کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں نکلے - اس کے بعد پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ یکے بعد دیگری پوری شان وشوکت کے ساتھ آئے اور اُن کے پیچھے اور تین سردارون کی سواریان آئیں -

سمت ۱۸۷۷ مطابق سنہ ۱۸۳۴ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو پشاور کا صوبہ ملا مگر وہان وہ بیمار ہوگئے - بوجہ جس کے ایک ماہ کی حکومت کے بعد وہ ضلع ہزارا کو تبدیل ہوئے - جہان لون میانی اور رتہاس کا علاقہ اُن کو اجارہ پر ملا -

سمت ۱۸۹۴ مطابق سنہ ۱۸۳۷ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے کنور نونہال سنگھ کی شادی ہوئی - تو راجہ دہیان سنگھ نے سوا لاکھ روپیہ اور مہاراجہ

گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ نے ایک ایک لاکھ روپیہ بطور تنبول کے پیش کیا +
مختصر بات یہ ہے۔ کہ یہ تینوں بھائی صرف لاہور دربار کے اول درجہ کے سردار ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان پر پیرانہ سال شیر پنجاب کی اسقدر مہربانی اور اعتبار تھا۔ کہ جو یہ چاہتے تھے۔ اُس سے کرا لیتے تھے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اُس کے بیٹے کھڑک سنگھ کی وفات کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان کی برنجی مورتیان بنوا کر اُن کو اپنی پرستش گاہ میں اور ٹھاکرون کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور مرتے دم تک اُن کی پوجا مثل دیوتا دن کے کرتا تھا۔

متعصب مورخون کا تو یہ خیال ہے۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے آقا دن اور بادشاہون کی مورتیون کی پوجا جن کی مہربانیون اور قدردانی سے اُنہون نے یہ عروج حاصل کیا تھا۔ صرف ظاہر داری۔ چالبازی اور حکمت عملی سے کرتے تھے۔ لیکن میری دانست میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی یہ حرکت کسی چالبازی یا ظاہر داری پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ باظہار اپنی شکرگذاری اور احسان مندی کے جسکا ادا کرنا ہر ایک سچے ہندو کا فرض ہے۔ اور خصوصاً مہاراجہ گلاب سنگھ جیسے مشہور و معروف دھرم آتما شخص کا اس قسم کا عقیدہ رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ سوام بھگتی یا سوامی کی بھگتی کرنا جسکو دوسرے لفظون میں ہم آقا پرستی کہہ سکتے ہیں۔ سچے ہندو ؤن کا ایک اعلیٰ قسم کا مذہبی فرض ہے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا عروج اسکے بیٹے۔ پوتے اور بہو کا خاتمہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی نمک حلالی

اس بات کو واضح طور پر ظاہر کرنے کے لئے کہ لاہور میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے دو بھائیون اور بیٹون کے تباہ ہونے کا کیا باعث ہوا۔ وہ خود کسطرح بچا اور اُس نے موجودہ ریاست جموں و کشمیر کی بنیاد کسطرح ڈالی۔ یہاں مہاراجہ

رنجیت سنگھ کی سلطنت کے عروج و زوال کا مختصر سا حال بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت اور خاندان کا مورث اعلیٰ اُسکا دادا سردار چڑہت سنگھ تھا۔ سوکھر چکیا مثل اسی سردار نے قایم کی تھی۔ جس کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے مہا سنگھ نے اس مثل کے ساتھ قصبہ رام نگر کو بھی ملحق کیا + اور جموں کی لوٹ مار سے بھی اس مثل کو دولتمند بنا دیا
مہاراجہ رنجیت سنگھ سردار مہا سنگھ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اور جسوقت سردار مہا سنگھ ۱۷۹۲ء میں فوت ہوا۔ اُس وقت رنجیت سنگھ کی عمر جو کہ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ صرف ۱۲ برس کی تھی +

سردار مہا سنگھ کی موت کے بعد سوکھر چکیا مثل کی حکومت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام سے اُس کی والدہ جسکا نام ملوائین تھا کرنے لگی۔ اور سدا کور جو مہاراجہ موصوف کی ساس تھی۔ وہ بھی اس حکومت میں ہاتھ بٹاتی تھی +
۱۷۹۷ء میں جبکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۷ برس کا ہو گیا۔ اُس نے اپنی مثل کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیلی۔ پہلا کام اُس کی حکومت کا یہ تھا۔ کہ ایک دن صبح دم اُس نے اپنی ماں کو جسکو وہ بدچلن خیال کرتا تھا۔ قتل کر ڈالا۔ لیکن لایق مصر جسکو وہ اپنی والدہ کا آشنا خیال کرتا تھا۔ اوس وقت تو بھاگ نکلا۔ البتہ عرصہ قلیل میں ہی سدا کور کی مدد سے گرفتار ہو کر ملک عدم میں پہنچ گیا +

رنجیت سنگھ ایک انپڑہ شخص تھا۔ لیکن بوجہ اس کے کہ اُسکو شکار کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ شہ سواری اور تلوار چلانے میں اوس کا جوڑا کوئی بھی نہ تھا۔
رنجیت سنگھ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا تھا۔ جبکہ ملک میں سخت ہل چل ہو رہی تھی۔ یہ احمد شاہ ابدالی کے آٹھویں حملہ کا وقت تھا۔ جو اُس نے ۱۷۶۷ء میں کیا تھا۔ اس حملہ کے بعد راولپنڈی اور دریائے جمنا کے مابین جس قدر ملک ہے۔ اُس کی حکومت سکھون کے ہاتھ آگئی۔ جنہون نے پنجاب میں اپنی

بارہ مثلین قایم کرلین -

سنہ ۱۷۹۸ء میں جونہی شاہزمان جس نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کیا تھا - لوٹ مچاتا ہوا کابل کو لوٹا - تو مہاراجہ رنجیت سنگھ معہ دیگر سکھ سرداران کے گرد و نواح کے پہاڑون میں پناہ گزین ہوئے تھے - واپس آگیا اور اپنے مثل میں داخل ہوتے ہی اُس نے دریائے جہلم میں سے شاہزمان کی چند توپین جو اُس کی واپسی کے وقت دریا میں گر پڑی تھیں - نکلوا کر شاہ موصوف کے پاس بھجوا دین اس خدمت کے صلہ میں شاہ زمان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا شکریہ ادا کیا - اور آیندہ کے واسطے اُس کا دوست بنگیا -

اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جب شاہزمان کا کچھ بھی خوف نہ رہا - تو اپنی حکومت بڑہانی شروع کردی - بوجہ جس کے گرد و نواح کے سردارون نے کچھ تو خوف سے اور کچھ رشک سے اُس کی قتل کا منصوبہ باندھا -

اس منصوبہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن جب مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا - کہ اُس کا جانی دشمن حشمت خان جو کہ چہتہ قوم کا سردار تھا یکایک ایک جہاڑی میں سے نکلا اُس پر حملہ آور ہوا - لیکن جسکو خدا بچائے اُس کو کون مار سکتا ہے - حشمت خان کا یہ وار خالی گیا - خوش نصیب اور بہادر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بال بھی بیکا نہوا - تلوار کا جو وار اُس پر ہوا تھا - اُس سے صرف کسیقدر گھوڑے کی لگام کٹ گئی - جس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنا گھوڑا پھیر کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ صاف کیا - کہ دشمن وہان ہی اسپ زندگی سے گر کر چت ہو گیا -

اس بہادری سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بڑی شہرت ہوئی - بلکہ یہی کارنامہ اُس کی آیندہ عظمت اور ترقی کا باعث ہوا - اُس دن سے اُس نے باتفاق سردار فتح سنگھ اہلووالیہ بانی ریاست کپورتہلہ اور سداکور کے ہر طرف ملک گیری اختیار کی - اور گرد و نواح کے سردارون پر اپنا رعب قایم کرنا شروع کیا -

سنہ ۱۸۰۰ء میں اُس نے لاہور سر کرایا - جس کو اُس نے اپنا صدر مقام بنا کر یہان سنہ ۱۸۰۱ء میں راجگی کا خطاب حاصل کیا - اور اپنا سکہ چلایا +

اب اُس کے سردارون نے جن میں سے نہایت بہادر اور حوصلے دیوان محکم چند - دیوان رام دیال - دیوان چند مصر - ہری سنگھ نلوا جس کے نام سے پٹھانون کا بچہ بچہ خطا ہوتا تھا - پھولا سنگھ اکالی - اور مہاراجہ گلاب سنگھ تھے - ہر طرف حملے کرنے شروع کردے - اور تھوڑے عرصہ میں ہی ایک طرف سے تو انہون نے ملتان اور کچھ حصہ سندھ کا فتح کرلیا - دوسری طرف سے پشاور اور قلعہ جمرود تک سر کرلیا تیسری طرف سے تبت خورد میں گہس کر تبت کلان پر قابض ہونے پر آمادہ ہوئے - چوتھی طرف خود مہاراجہ رنجیت سنگھ دریائے ستلج کے پار چلا گیا - اور ملک گیری کرتا ہوا دو دفعہ پٹیالہ میں داخل ہوا - اور انبالہ کا بہت سا علاقہ بھی اپنی سلطنت میں ملا کر واپس لوٹا +

مختصر بات یہ ہے - کہ سنہ ۱۸۰۰ء سے سنہ ۱۸۲۶ء تک مشرق اور مغرب میں ستلج سے جمرود تک اور شمال سے جنوب میں لداخ اور سندھ تک تمام ملک اُس نے فتح کرلیا + اب امیر کابل کا کسی کو خوف نہ تھا - بلکہ شیر پنجاب ہی سب جگہ عزت اور خوف کی نظر سے دیکھا جاتا تھا +

انگریزون نے سنہ ۱۸۰۹ء میں اس خوف سے کہ اہل فرانس ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں - مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ایک عہد نامہ کیا - ستلج کے پار جسقدر والیان ملک تھے - مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام سے اس قدر کانپتے تھے - کہ دہلی میں انگریزون کا جو پولیٹیکل ایجنٹ تھا - اوس سے انہون نے درخواست کی کہ سرکار انگریزی ان پر اپنی حمایت کا سایہ ڈالے -

سنہ ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کابل کے شجاع الملک سے کوہ نور ہیرا جو ایک تواریخی ہیرا تھا - چھین لیا + ملہ وہ یہان تک مشہور ہو گیا تھا - کہ سنہ ۱۸۳۲ء میں اُس کو نار روس کے ایک وزیر

ملہ نوٹ - کہا جاتا ہے کہ یہ ہیرا کیرو اور پانڈون کے عہد کا تہا اور سری کرشن مہاراج کے زیر استعمال بھی رہا ہے

نے بھی جس کا نام پرنس سیلڈ تھا۔ سلسلہ اتحاد قایم کرنے کے لئے ایک خط بھیجا اور اُس کے دربار میں نظام حیدرآباد۔ حکومت نیپال اور تبت کے لامہ گورو و دیگر والیان سندھ کے ایلچی رہتے تھے +

شیر پنجاب بجز انگریزی شیر کے جس نے ایک طرف تو اُس کو ستلج کے آگے اور دوسری طرف سندھ کی جانب بڑھنے سے روک رکھا تھا۔ اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ رنجیت سنگھ کے پاس اسّی ہزار قواعد دان ایسی عمدہ فوج تھی۔ جو کہ کسی اور ہندوستانی والئے ملک کے پاس نہیں تھی +

جو یوروپین جرنیل اُس کے ملازم تھے۔ انہوں نے لاہور میں مستری خانے جاری کئے اور تھان قایم کر کے یورپ کی ساخت کے تمام اعلیٰ قسم کے جنگی ہتھیار مثل توپ اور بندوق کے تیار کرنے شروع کر دے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پہلی رانی کا نام مہتاب کور تھا۔ جو سردار گوربخش سنگھ والئے کنہیا مثل کی بیوہ مسماۃ سدا کور کی دختر تھی۔ مہتاب کور کے کوئی لڑکا بالا نہیں تھا۔ اس واسطے اُس کی والدہ سدا کور نے اُس کے واسطے ۱۸۰۷ء میں دو لڑکے خریدے۔ جن کا نام اُس نے شیر سنگھ اور تارا سنگھ رکھا۔ شیر سنگھ دراصل ایک چھینے کا لڑکا اور تارا سنگھ سدا کور کی ایک مسلمان داسی کا لڑکا تھا +

دوسری رانی کا نام راج کور تھا۔ جو نکائی مثل کے سردار کی بیٹی تھی۔ کھڑک سنگھ اسی رانی کا لڑکا تھا۔ جو ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوا۔ کھڑک سنگھ کا بیاہ چند کور کے ساتھ ہوا تھا۔ جو رام گنہیہ مثل کے سردار جیمل سنگھ کی دختر اور کنور نونہال سنگھ کی والدہ تھی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تیسری رانی جسکا نام دیا کور تھا۔ وہ بھی لاولد تھی۔ اس نے جمون کے ایک راجپوت کو خرید کر اس کا نام پشاورا سنگھ رکھا۔

مہاراجہ موصوف کی چوتھی رانی رتن کور کہلاتی تھی۔ یہ اصل میں مول سنگھ برجی والے کی عورت تھی۔ وہ جب مر گیا۔ تو صاحب سنگھ والئی گجرات کی جورو بنی۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کانگڑہ فتح کیا تو راجہ سنسار چند کی جو کہ کانگڑہ کا اخیر ہندو راجہ تھا ایک گدن آشنا عورت معہ دو لڑکیوں کے اوسکے قبضہ میں آئی اور گجرات کی فتح پر مہاراجہ رنجیت سنگھ

کے قبضہ میں آ کر اُسکی رانی بنی۔ جس نے اُنکا حسن و جمال دیکھکر اُن کی والدہ کی درخواست پر اُنکو بہ پابندی تمام مذہبی رسوم کے اُس کے ساتھ شادی کر لی۔ اخیر عورت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک کنجری تھی۔ جو موران والی کنجری کے نام سے مشہور تھی۔ مہاراجہ مذکور اس طوایف کے ناز و ادا پر اس قدر فریفتہ ہوا۔ کہ آخرکار اُس کی خواہش ہوئی۔ کہ موران والی کنجری نے جس طرح سے اُس کے خانہ دل کو آباد کیا تھا۔ اسی طرح اپنی رہایش کا فخر اُس کے حرم سرا کو بھی بخشے۔ لیکن موران والی کنجری نے تب محلات شاہی میں قدم رکھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قاضی کو بلوا کر اس کے ساتھ اہل اسلام کی رسومات کے مطابق عقد نکاح پڑھا۔

محلات میں داخل ہونے کی ہی دیر تھی۔ کہ موران والی کنجری کا نام گلجان بیگم پڑا۔

رنجیت سنگھ ۵۹ برس کا ہو کر لاہور میں ۲۷۔ جون سنہ ۱۸۳۹ء کو مرا۔ اور مرنے سے پیشتر اُس نے راجہ دھیان سنگھ کو مدارالمہام جزوکل بنا کر "نایب سلطنت عظمہ و خیر خواہ نیمہ دولت سرکار وزیر دستور مکرم مختار مدارالمہام کل" کا خطاب بخشا۔

اپنی موت سے ایک برس پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۰ ماگھ سمت ۱۸۹۵ کو شہزادہ کھڑک سنگھ کو بھی اپنے ہاتھ سے راج تلک لگایا۔ اور اس رسم کو بڑی دھوم دھام سے ادا کیا۔

مہاراجہ موصوف کی وفات کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا۔ اور مدارالمہامی کے عہدے پر راجہ دھیان سنگھ بدستور قایم رہا۔

اب سلطنت کا زوال شروع ہوا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ نے تخت پر رونق افروز ہوتے ہی راجہ دھیان سنگھ کو وزارت کے عہدے سے ہٹانے کی ٹھان لی تھی۔ جس کی وجہ اغلباً یہ تھی۔ کہ سکھ لوگ اپنی سلطنت میں تمام ذمہ واری کے عہدے اپنی قوم کے قبضے میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ڈوگروں کی طاقت کو توڑنے کی فکر میں تھے۔ جو کہ ایک سخت نادانی تھی کیونکہ ڈوگرے اتنے بڑے ہوئے تھے۔ کہ سوائے سلطنت کی بربادی کے اُن کا برباد کرنا آسان نہ تھا۔

مختصر یہ ہے۔ کہ راجہ دھیان سنگھ کے مقابلہ میں مہاراجہ کھڑک سنگھ نے سردار چیت سنگھ کو کھڑا کیا۔ جس کا زور اس قدر بڑھا۔ کہ راجہ دھیان سنگھ کے برخلاف اوس نے ایک سازش قایم کر کے راجہ موصوف کی مخالفت اور بیخکنی پر اتر آیا۔ آخر کار یہ راز ظاہر ہوا۔ اور اب نفاق کی چنگیاری علانیہ طور پر سب کو نظر آنے لگی۔ اور نوبت یہاں تک پہونچی۔ کہ راجہ دھیان سنگھ نے بھی مایوسی کی حالت میں مہاراجہ کھڑک سنگھ کو تخت سے اتارنے کی ٹھانی اور اس کے برخلاف بہت سی غلط افواہیں اڑا کر اور ہر طرح سے اس کو بدنام کر کے اس کے بیٹے نونہال سنگھ کے ساتھ سانٹھ گانٹھ کیا۔ جو پہلے سے ہی اپنے باپ سے کشیدہ خاطر تھا۔

اب معاملہ یہاں تک بگڑا۔ کہ ایک دن راجہ دھیان سنگھ نے مع اپنے دو بھائیوں اور سرداران سندھانوالہ کے قلعہ پر (جو کہ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی جائے رہایش تھی) چڑھائی کر دی۔ حملہ آور ٹولی بخوبی مسلح تھی۔ اور سب کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اور سب کا ارادہ یہ تھا۔ کہ سردار چیت سنگھ کو مارے بغیر واپس نہ آئینگے۔

قلعہ کے دروازہ پر اس انتقام پسند ٹولی کا مقابلہ دربانوں نے کیا۔ لیکن وہ سب مارے گئے۔ اور حملہ آور قلعہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں سب سے پہلے مہاراجہ کا گڈویہ مارا گیا۔ جس کے بعد سب کے چھکے چھوٹ گئے اور مقابلہ کرنیوالا کوئی بھی نہ رہا۔

اب خشم آلودہ جماعت نے روک ٹوک بد نصیب مہاراجہ کے کمرے میں جا گھسی۔ اور یہاں چیت سنگھ کی جو کہ خوف کے مارے ایک اندھیرے کونے میں ایک چٹائی میں جا چھپا تھا۔ تلاش شروع ہوئی۔

جب چیت سنگھ پکڑا گیا۔ تو اپنی خطرناک حالت دیکھکر سخت رو یا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر سب جان بخشی کا خواہاں ہوا۔ لیکن راجہ دھیان سنگھ کو یہ کب منظور تھا۔ کہ اس کا دشمن جانبر ہو جائے۔ بلکہ اس کو تسکین تب ہوئی۔ کہ جب اس نے اجل رسیدہ سردار کا پیٹ اپنی تلوار سے خاص اپنے ہاتھ سے چاک کیا۔

اس موقعہ پر مہاراجہ کھڑک سنگھ بھی مارا جاتا۔ لیکن اس کو اس کی رانی اور لڑکے

نے بچا لیا۔ تاہم وہاں سے نکالکر وہ ایک اور مکان میں نظر بند رکھا گیا۔ جہاں تین ماہ کی مختصر جیسی حکومت کے بعد وہ ۵ نومبر ۱۸۴۰ء کو کمال مصیبت کے ساتھ اپنے جسم عنصری کی قید سے آزاد ہوا۔ اور عام خیال یہ ہے۔ کہ اس کو سنکھوں کی زہریلی گولیاں دی گئی تھیں۔ اور آہستہ آہستہ وہی گولیاں اسکی موت کا باعث ہوئیں۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ دو دفعہ افیون کھاتے اور بہت سست الوجود تھے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ مرتی دفعہ انہوں نے کنور نونہال سنگھ کو بددعا دی تھی۔ کہ تم نے تخت حاصل کرنے کے واسطے میرے برخلاف سازش کی ہے۔ لیکن میرے بعد تم بھی نہ بچوگے اور آخر کو ایسا ہی ہوا۔

مہاراجہ کھڑک سنگھ کو داہ دینے سے جب نونہال سنگھ فارغ ہوا۔ تو معہ میان اودھم سنگھ کے جو مہاراجہ گلاب سنگھ کا بڑا بیٹا تھا۔ ہاتھی پر سوار ہو کر قلعہ کو لوٹا۔ جہاں کہ اس کا محل تھا۔ لیکن باپ کے بعد وہ بھی نہ بچ سکا۔

ہاتھی کے حضوری باغ والے دروازہ میں داخل ہونیکی ہی دیر تھی۔ کہ دروازہ کی عمارت کا کچھ حصہ اوپر سے دونوں فیل سواروں کے سر پر دفعتاً گر پڑا۔ جس کے صدمے سے اودھم سنگھ تو فوراً مر گیا۔ لیکن نونہال سنگھ بیہوش ہو گیا۔ جس پر راجہ دھیان سنگھ اس کو ایک پالکی میں ڈالکر محلات میں پہونچا۔ اور ایک ایسے کمرے میں جا رکھا۔ کہ جہاں اس نے جب تک کہ نونہال سنگھ مر نہ گیا۔ کسی سردار یا اہلکار کو نہ آنے دیا۔ حتے کہ اس کی والدہ چندکور اور اسکی رانی کو بھی۔ جیتے جی اس کے درشن نہ ہوئے البتہ اس کی موت اس وقت ظاہر کی گئی۔ جبکہ مہاراجہ شیر سنگھ رانی چندکور کی تخت نشینی کی مخالفت کے لئے دفعتاً لاہور میں داخل ہوا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ کنور نونہال سنگھ بہت چست و چالاک تھا۔ اور اس میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تمام اوصاف موجود تھے۔

کنور نونہال سنگھ کی موت جس غرض سے چھپائی گئی تھی۔ اور جس ارادہ سے شیر سنگھ لاہور میں داخل ہوا تھا۔ رانی چندکور ان باتوں کا مطلب فوراً تاڑ گئی۔

بوجہ جس کے اُس نے اودہر تو مشہور کیا۔ کہ نونہال سنگھ کی رانی حاملہ ہے۔ اور اودھر اپنے فرضی پیدا ہونے والے پوتے کی ولیہ بن کر اُس نے اہلکارون کی ایک کونسل مقرر کردی۔ اور اسی کونسل کے زیر مشورہ ملک کی حکومت کرنے لگی۔

رانی چندکور نے جو وزیرون کی مجلس قایم کی تھی۔ اُس کے حسب ذیل چار ممبر تھے مہاراجہ گلاب سنگھ۔ سردار لہنا سنگھ۔ سندہانوالہ سردار تیجا سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ۔ میر مجلس ان چارون وزیرون کا اُس نے سردار عطر سنگھ سندہانوالہ کو بنایا۔ گویا دوسرے لفظون میں بجائے راجہ دہیان سنگھ کے سردار عطر سنگھ وزیر اعظم مقرر ہوا۔

جب راجہ دہیان سنگھ نے ایسی مخالف ہوا چلتی دیکھی اور شیر سنگھ کو ایسے وقت میں علانیہ طور پر تخت نشین کرانا مشکل پایا۔ تو چند یوم کے واسطے جمون چلا گیا۔ اور وہان سے شیر سنگھ کی مدد خفیہ طور پر کرتا رہا۔ اب نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ شیر سنگھ نے دہیان سنگھ کو اپنا ممد پاکر فوج کو رشوت دیدی۔ اور ستر ہزار لشکر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

یہ فوج شیر سنگھ کی یہان تک طرفدار ہوگئی۔ کہ آخرکار انہون نے اُس کو اپنا آیندہ فرمانروا قرار دیکر توپون کی شلک سے اس کی سلامی کی۔

توپون کے چلنے سے خلقت یہ معلوم کرکے کہ اونکا آیندہ بادشاہ شیر سنگھ قرار پاگیا ہے۔ دم بخود رہ گئی۔

اب جنگ کے سامان پیدا ہوگئے۔ شیر سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی شہر اور قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔

چندکور نے سندہانوالہ کی قلیل فوج اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے ڈوگرون کو مقابلہ کے لئے پہلے سے ہی آمادہ کر رکہا تھا۔

اور اس مختصر جیسی براے نام فوج میں چونکہ زیادہ تر ڈوگرے ہی تھے اس دا چندکور نے اس جنگ کا اہتمام مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہی سپرد کیا۔

جنگ کی ابتدا شیر سنگھ نے کی۔ جو خود اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ اُس نے پانچون تک متواتر قلعہ پر حملے کیے۔ لیکن ہر ایک دفعہ بھاری نقصان اوٹھا کر پسپا ہوا۔ ڈوگرون نے قلعہ سے توپون کے وہ نشانے تاک تاک کر مارے۔ کہ حملہ آور سکھون کے چھکے چھوٹ گئے۔ حتی کہ انہون نے شہر کی عورتون کو پکڑ کر اپنے آگے کھڑا کرنا شروع کیا۔ تاکہ توپ کے گولون سے وہ خود بچ رہیں۔ اور عورتیں ماری جائیں۔ لیکن ڈوگرہ بہادرون نے کمال شائستگی کا ثبوت دیا۔ وہ نشانہ لگاتے وقت عورتون کو خصوصیت کے ساتھ بچا جاتے تھے۔ اس پانچ دن کے جنگ میں شیر سنگھ کے سات ہزار آدمی مارے گئے۔

یون تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے نیت کرلی تھی۔ کہ جیتے جی لاہور کا قلعہ شیر سنگھ کے حوالہ نکیا جائیگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دل سے وہ جانتا تھا۔ کہ اُس کے پاس فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس واسطے اُس نے راجہ دہیان سنگھ کے ساتھ خطوکتابت شروع کرکے اُس کو تنازعہ کے تصفیہ کرنیکا پیغام بھیجا۔ جو ایک ہفتے کی غیر حاضری کے بعد جنگ کے چھٹے روز لاہور میں پہونچا۔ اور اوس کے حکم سے جنگ ملتوی رکھا گیا۔ جس کا آخری نتیجہ یہ نکلا۔ کہ چندکور کو جمون کے متصل نو لاکھ روپیہ کی جاگیر ملی۔ اور شیر سنگھ تخت پر بیٹھا۔

اس فیصلہ کے بعد رانی چندکور نے اپنی تمام جایداد منقولہ اور دولت قلعہ لاہور سے نکالکر اپنی نئی جاگیر میں بھیجنی شروع کی۔

اور یہ کام بھی اُس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد کیا جس کی نمک حلالی تدبیر اور دولتہ مقابلہ سے اُس کی عزت بچی۔ اور اُس کو نئی جاگیر ملی تھی۔

تفصیل اوس مال اور اسباب کی جو رانی چندکور نے مہاراجہ موصوف کے سپرد کی تھی حسب ذیل تھی۔

(اول) پانسو تھیلیان طلای ٹکیون کی۔ (دویم) سولہ گاٹیان روپیون کی (سویم) بیشمار زیور اور قیمتی جواہرات۔ (چہارم) لاکھون روپیون کا پشمینہ۔

یہ بھی جاگیر جیال میں تھی - جہاں جموں سے ہو کر جانیکا راستہ بھی نزدیک تہا - اسواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ تمام دولت لیکر جموں میں پہونچا - لیکن روانگی سے پیشتر وہ مہاراجہ شیر سنگھ کے پاس رخصت لینے گیا - جہاں حاضر ہو کر اُس نے کہا - کہ چند کور اُس کے آقا کی جس کا نمک کہ وہ بچپن سے کہا رہا تھا - بہو تہی - اس واسطے جو مقابلہ اُس نے چند کور کی عزت بچانے میں کیا ہے - ایسا مقابلہ کرنا اُس کا فرض تھا - اور نمک حلالی میں داخل تھا - پس اُس کو امید ہے - کہ اُس کی اس قسم کی حرکت کے لئے وہ معذور سمجھا جائیگا -

مہاراجہ گلاب سنگھ کی روانگی کے بعد شیر سنگھ نے چند کور پر چادر ڈالنی چاہی - لیکن چند کور نے جو جانتی تھی - کہ شیر سنگھ ایک چھینے کا لڑکا ہے - اس شادی سے نہایت لاپرواہی کے ساتھ بدین الفاظ انکار کیا - کہ جیل سنگھ کی لڑکی چھینے کی جورو نہیں بن سکتی - چند کور کی اس بولی نے شیر سنگھ کو سخت برگشتہ کیا - حتے کہ وہ اوس کی جان کا لاگو ہو گیا - جس کا نتیجہ یہ نکلا - کہ ایک دن جبکہ چند کور اپنا سر گندہوانے لگی - تو شیر سنگھ کی سازش سے ایک گولی اُس کے سر میں کنگھی کرنے لگی - اور دوسری گولی نے پیچھے سے ایسے زور سے ایک پتھر مارا - کہ اُس کا سر پھٹ گیا - اور وہ بیچاری وہاں ہی چت ہو گئی -

جب اس قتل کی خبر راجہ دہیان سنگھ کو ہوئی - اُس نے قاتلہ گولی کو پکڑ منگوایا - اور جرم کی تحقیقات شروع کی - لیکن گولی مذکور نے اپنی بیگناہی بدین الفاظ ظاہر کی - اس جرم کا ارتکاب آپ کے اور مہاراجہ شیر سنگھ کے حکم کی تعمیل میں ہوا ہے - مگر یہ صفائی منظور نہیں ہوئی - اوس کا ناک اور دونوں کان کٹوائے جاکر وہ دریائے راوی کے پار کر دی گئی - اور ایک مہاراجہ کی بہو اور دوسرے مہاراجہ کی مہارانی اور تیسری مہاراجہ کی والدہ کے خون کا انتقام اس طرح لیا گیا -

---

مہاراجہ شیر سنگھ - اُس کے شہزادے اور راجہ دہیان سنگھ کی قتل

اب شہر لاہور ایک بوچڑخانہ بن جاتا ہے - اور دفعتاً اس قسم کے بوچڑ پیدا ہو جاتے ہیں - کہ جن کی تیز چھری سے نہ کوئی بادشاہ اور نہ کوئی وزیر محفوظ رہ سکتا ہے - اور یہہ انسانوں کے قصائی اب ایسے فساد کرتے ہیں - کہ جن کی نظیر دنیا میں کہیں بھی نہیں مل سکتی -

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دو گرو تھے - جن میں سے ایک کا نام بھائی رام سنگھ اور دوسرے کا نام بھائی گورمکھ سنگھ تھا - نصف سکھ ایک گرو کے اور نصف سکھ دوسرے گرو کے سیوک اور معتقد تھے - لیکن کل سکھی دونوں گروؤں کی برابر تعظیم کرتی تھی -

ان میں سے بھائی گورمکھ سنگھ کی راجہ دہیان سنگھ کے ساتھ مخالفت اور بھائی رام سنگھ کی موافقت تھی - اب لاہور دربار کے سرداروں کی کیفیت بھی سنئے - سندھانوالہ سردار جوکہ سب سرداروں میں سے زیادہ رسوخ اور عزت والے تھے - مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہم جدیوں میں شامل تھے - ان کا اقتدار اس قدر بڑھا ہوا تھا - کہ انہوں نے شیر سنگھ کو ناصب قرار دیکر اُس کی تخت نشینی سے علانیہ طور پر انکار کیا - حتی کہ وہ مغلوب بھی ہوئے - اور اُن کی تمام جاگیریں بھی ضبط ہو گئیں - جس کے بعد انہوں نے معافی حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کی - لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی - آخر کار انہوں نے بھائی رام سنگھ کو اپنا وسیلہ بنایا - اور اس کی سفارش سے راجہ دہیان سنگھ نے اون کی خطا بھی معاف کرا دی - اور جاگیریں بھی واگذار کرا دیں - رفتہ رفتہ سردار لہنا سنگھ سندھانوالیا اور سردار اجیت سنگھ سندھانوالہ نے وہ رسائی حاصل کی - کہ دونوں سردار مہاراجہ شیر سنگھ کی مونچھ کے بال بنگئے - اور دونوں کو اُس کے ساتھ تخلیہ کرنے کا فخر بھی حاصل ہوا - جب انہوں نے ایسا قرب حاصل کیا - تو اب انکو راجہ دہیان سنگھ

کے اُکھاڑ مارنے کی سوجھی۔ بوجہ جس کے اُنھوں نے مہاراجہ شیر سنگھ کے کان یہانتک بھرے کہ آخرکار وہ راجہ مذکور کے برخلاف ہوگیا۔ اور اُس کو نظر حقارت سے دیکھنے لگا۔ راجہ دہیان سنگھ کو یہ امید نہ تھی۔ کہ مہاراجہ شیر سنگھ اور دونون سردار اُس کے احسانات کو بھول جائینگے۔ اس کو اس بات کا سخت افسوس ہوا۔ اور وہ بھی انتقام گیری پر اُتر آیا۔ چنانچہ بمقابلہ مہاراجہ شیر سنگھ کے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی جو اُن دنون صرف ۵ برس کا تھا۔ ایسی تنظیم و تکریم کرنے لگا۔ گویا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تخت کا وہی وارث اور مستحق تھا۔

اب نفاق کی آگ بخوبی سلگ اُٹھی۔ اور اس کے شعلے یہانتک بلند ہوئے۔ کہ آخرکار مہاراجہ شیر سنگھ نے سندھانوالیہ سردارون کو راجہ دہیان سنگھ کے قتل کرنے کا حکم لکھدیا۔ لیکن سرداران مذکور صرف راجہ دہیان سنگھ کے ہی خون کے پیاسے نہیں تھے۔ وہ جسطرح سے راجہ دہیان سنگھ کو عہدہ وزارت کا غاصب سمجھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ اس کی موجودگی میں وہ وزیر نہیں بن سکینگے۔ اوسیطرح سے مہاراجہ شیر سنگھ کو بھی تخت لاہور کا غاصب خیال کرتے تھے۔

اس لئے راجہ دہیان سنگھ کی قتل کا جو ارشاد مہاراجہ شیر سنگھ نے اُن کو لکھا تھا۔ وہ جاکر اُنہون نے راجہ دہیان سنگھ کو دکھایا۔ اور اس کو طیش دلوا کر اوس سے مہاراجہ شیر سنگھ کے قتل کی اجازت لیلی۔

اس کے بعد دونون سردار پھر شیر سنگھ کے پاس پہونچے۔ اُس کو یہ پٹی پڑھائی۔ کہ اجازت ہو تو وہ اپنی جاگیر میں جاکر دہیان سنگھ کی قتل کا انتظام کرین۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے اُن کی درخواست منظور کی۔ اور دونون سردار رخصت حاصل کرکے اپنی جاگیر کو چلے گئے۔ اب وہ مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔ اتفاقاً ماگھ کی سنکرات آئی۔ اور اُس روز گرہن کا دن بھی تھا۔ دفترون میں چھٹی ہوگئی۔ مہاراجہ شیر سنگھ معہ اپنے بیٹے شہزادہ پرتاپ سنگھ کے شاہ بلاول کو چلا گیا جہان شہزادہ مذکور تو باغ میں داخل ہوکر دان پُن کرنے لگا۔ اور مہاراجہ مذکور خود

بارہ دری میں بیٹھ کر کشتیان دیکھ دیکھ کر پہلوانون کو انعام تقسیم کرنے لگا۔ اتنے میں سردار اجیت سنگھ معہ اپنے جدید بالگیرون کے آپہونچا۔

اجیت سنگھ نے اپنے بالگیرون کو تو بارہ دری کے آگے کھڑا کردیا۔ اور خود بے تحاشہ مہاراجہ کے پاس چلا گیا جو اُسوقت ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اجیت سنگھ نے جو کہ بخوبی مسلح تھا۔ جاتے ہی واہگورو جی کی فتح بولائی۔ اور ایک دونالی بندوق کی شست جو کہ بھری ہوئی تھی اجل رسیدہ مہاراجہ کی چھاتی کیطرف لگا کر بدین الفاظ آگے کو بڑہائی۔ کہ یہ بندوق میں نے سات سو روپیہ میں خریدی ہے۔ لیکن ایسی عمدہ ہے۔ کہ تین ہزار میں بھی نہیں بیچونگا۔

مہاراجہ نے بازو آگے کو بڑہایا کہ بندوق کو ہاتھ میں لیکر دیکھے۔ اتنے میں اجیت سنگھ نے گھوڑا دبادیا۔ بندوق چلگئی۔ اور اُس کی دو گولیان مہاراجہ کی چھاتی میں لگ گئین۔ اور وہ فوراً وہان ہی چت ہوگیا۔ مرتی دفعہ اُس کے مُنہ سے صرف یہی لفظ نکلا کہ۔ ایہہ کی دغا یعنے یہ کیا دغا کیا گیا ہے۔

شیر سنگھ کے قتل ہوتے پر بارہ دری میں تلوار چل پڑی۔ بندوق کی آواز سُنکر اوسکا ایک مصاحب جسکا نام بُدھ سنگھ تھا۔ باہر سے اندر آیا۔ دروازہ پر اجیت سنگھ کے دو آدمی مزاحم ہوئے۔ اور مارے گئے۔ بُدھ سنگھ نے اندر داخل ہوکر اجیت سنگھ کو بھی مار ڈالنا چاہا۔ لیکن اُس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ جس پر یہ جوانمرد معہ تمام دیگر مصاحبان شیر سنگھ کے قتل ہوگیا۔

اودہر تو بارہ دری میں سردار اجیت سنگھ نے یہ کشت و خون کیا۔ اُدھر سردار لہنا سنگھ نے باغ میں پہونچکر بیچارے پرتاب سنگھ کو بھی قتل کرڈالا

جس وقت پرتاب سنگھ مارا گیا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر صرف دس برس کی تھی اور باغ میں بیٹھا ہوا تولادان کر رہا تھا۔ اُس نے جب دور سے ہی دیکھا۔ کہ سردار لہنا سنگھ غضبناک حالت میں آنکھین سرخ کئے ہوئے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے اُسکو قتل کرنے کے لئے آرہا ہے۔ تو وہ ڈر گیا۔ ہاتھ جوڑے اُس کے پاؤن پڑا۔ اور نہایت

عاجزی سے بولا کہ چاچاجی مجھکو مت مارو میں تمہارے طویلے میں گھوڑون کی لید اٹھا کر گذارہ کرون گا۔

لیکن سنگدل لہنا سنگھ پر اس بیگناہ معصوم بچے کی دردناک عاجزی نے کچھ اثر نہ کیا غصہ اور بھی تیز ہوا۔ اور بجواب بولا۔ کہ ایسے وقت میں چچا کون بنتا ہے۔ یہ کہہ اور اُس کا سر کاٹ کر بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

جب مہاراجہ شیر سنگھ اور معصوم پرتاب سنگھ قتل ہو چکے۔ تو اجیت سنگھ سندہانوالیہ معہ اپنے تین سو سوارون کے ان دونون مقتولون کے سر لیکر کمال بشاشت کے ساتھ لاہور کو روانہ ہوا۔

راستہ میں اُس کو راجہ دہیان سنگھ مل پڑا۔ جو پوجا کرنے کے بعد قلعہ سے چوتا ہوا معہ چند سوارون کے اب شاہ بلاول کو جا رہا تھا۔

اجیت سنگھ نے اُس کو دیکھکر پہلے تو سلام کی پھر دونون مقتولون کے سر دکھلائے لیکن پرتاب سنگھ کا سر دیکھکر راجہ دہیان سنگھ کو سخت افسوس ہوا۔ اور بیساختہ بول اُٹھا۔ کہ اس بیقصور بچے کو کیون مارا ہے۔

اجیت سنگھ نے بجواب کہا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا ہے۔ آپ قلعہ میں چلو اور آیندہ انتظام سوچو۔

خطرناک سردار کی بیباکانہ باتین سنکر راجہ دہیان سنگھ کا ماتھا ٹھنکا۔ اور گھبراہٹ کی حالت میں اوس نے اردلیون کیطرف نگہ ماری۔ قیاس غالب یہ ہے کہ اگر اُس کے ساتھ کافی اردلی ہوتے۔ تو وہ اجیت سنگھ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا۔ لیکن مصلحتاً دلیری کر کے اوسکے ساتھ ہو لیا۔

قلعہ کے پہلے دروازہ میں سے گذر جانے تک خیریت رہی۔ لیکن جب دوسری ڈیوڑھی میں پہونچے۔ تو دہیان سنگھ کے آدمی روکدیے گئے۔ اور اجیت سنگھ کے آدمی بیکھٹکے بند دن اندر چلے گئے۔ دوسری ڈیوڑھی میں سے گذر جانے کے بعد اجیت سنگھ نے راجہ دہیان سنگھ سے پوچھا۔ کہ اب

تخت نشین کون کیا جائیگا۔ راجہ دہیان سنگھ بولا۔ کہ حق مہاراجہ دلیپ سنگھ کا ہے۔ یہ سُنکر اجیت سنگھ نے طنزاً کہا۔ کہ اُس کے وزیر تو تم ہی ہو گے پھر اُس نے کہا۔ کہ ہم نے اپنی جان جوکھون میں ڈالکر جو خدمات انجام دی ہیں اُن کا صلہ ہم کو کیا ملیگا۔ راجہ دہیان سنگھ جو ایسے سوال و جواب سننے کا عادی نہیں تھا۔ رنجیدہ ہو کر اجیت سنگھ سے کنارہ کش ہوا۔

بھائی گوربکھ سنگھ نے جو اس موقعہ پر ہمراہ تھا۔ سردار اجیت سنگھ سے کہا۔ باتین بنانے سے کیا فایدہ ہے۔ کچھ کر کے دکھاؤ۔ اور راجہ دہیان سنگھ کو زندہ مت چھوڑو۔ بھائی گوربکھ سنگھ کے یہ کہنے کی ہی دیر تھی۔ کہ اجیت سنگھ نے اپنی فوج کیطرف انگلی کا اشارہ کیا۔ جس پر فتح خان ٹوانہ نے بندوق کا فیر کیا۔ جس کی گولی راجہ دہیان سنگھ کی پیٹھ سے پار ہوئی اور راجہ مذکور اپنے گھوڑے سے گر کر وہان ہی چت ہو گیا۔

ایک وفادار مسلمان اردلی جو باوجود تمام روک ٹوک اور سختیون کے یہان تک راجہ دہیان سنگھ کے کسطرح ساتھ آگیا تھا۔ اپنے آقا کی یہ حالت دیکھکر رہ نہ سکا۔ اور مقابلہ کرتے ہوئے وہ بھی مارا گیا۔ جس کے بعد مخالفین نے آقا اور اس جانباز نوکر کی لاشون کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک گڑھے میں پھینک دیا۔

تھوڑی دیر ہی کے بعد سردار لہنا سنگھ بھی قلعہ میں داخل ہوا۔ اور دہیان سنگھ کی ہلاکت کا حال سُنکر اجیت سنگھ پر سخت ناراض ہوا۔ اور دست تاسف ملکر بولا۔ کہ دہیان سنگھ کے مارنے میں بہت جلدی ہوئی ہے۔ اُس کو مار ڈالنا اور اوس کے دونون بھائیون اور بیٹے راجہ ہیرا سنگھ کو زندہ چھوڑنا اپنے آپکو موت کے مونہہ میں دھکیل دینے سے کم نہیں ہے۔ عقلمندی یہ تھی۔ کہ ان تینون بھائیون اور اوس کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ کو اکٹھے کر کے مار ڈالتے تاکہ نہ کوئی انتقام لینے والا پیچھے رہتا۔ اور نہ کسی کا خطرہ رہتا۔

سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ کا مارا جانا

راجہ دہیان سنگہ کے مارے جانے کے بعد اب سندہانوالہ سرداروں کو راجہ سوچیت سنگہ اور ہیرا سنگہ کے قتل کی سوجہی۔ کیونکہ اُن کو خوف ہوا۔ کہ یہہ دونوں راجے اون کو زندہ نہ چھوڑینگے۔ بلکہ راجہ دہیان سنگہ کی انتقام گیری میں اون کی اینٹ کے ساتھ اینٹ بجا دینگے۔ ان دونوں کے مارنے کی ترکیب سندہانوالیہ سرداروں نے یہ نکالی۔ کہ سردار لال سنگہ جو راجہ دہیان سنگہ کا معتبر گروہ اور پرورش یافتہ تھا۔ راجہ سوچیت سنگہ اور راجہ ہیرا سنگہ کے پاس راجہ دہیان سنگہ مقتول کی جانب سے ایک نہایت ضروری معاملہ میں مشورہ کرنیکے بہانہ اون کو اپنے ساتھ لانے کے لیے بہیجا گیا۔

یہ ممکن تھا کہ ہر دو راجگان سردار لال سنگہ کی زبانی مقتول راجہ دہیان سنگہ کا فرضی پیغام سنکر اُس کے جہانسے میں آجاتے لیکن اون کو پہلے سے ہی سوجہی ہوئی تھی۔ کہ مہاراجہ شیر سنگہ کی ہلاکت رنگ لائے بغیر نہ رہیگی۔ اور اوسکا دہوکہ بازی کے ساتھ اسطرح مارا جانا راجہ دہیان سنگہ اور سندہانوالہ سرداروں میں ضرور کوئی فساد پیدا کریگا۔

بلکہ اسی دور اندیشی سے ہر دو راجگان میں سے کوئی بہی مقتول راجہ کے ساتھ شاہ بلاول کو نہیں گیا تھا۔ اس لئے سردار لال سنگہ کا پیغام سن کر انہون نے مقتول راجہ کا تحریری حکم مانگا۔ اتنے میں دہیان سنگہ کی قتل کا معاملہ طشت از بام ہوگیا۔ جس کو سن کر راجہ ہیرا سنگہ دریائے رنج و غم میں مبتلا ہوکر رونے پیٹنے لگا۔ لیکن رائے کیسری سنگہ کے سمجہانے پر ماتم داری کو بالائے طاق رکہکر انتقام گیری پر آمادہ ہوا۔

اور کمال حوصلہ کے ساتھ فوج کو جمع کرکے سرداران فوج کے اجلاس میں

نہایت سنجیدگی کے ساتھ حاضر ہوکر کمر سے ڈہال اور تلوار کہولکر اُن کے آگے رکہدی۔ اور بدین الفاظ اُن سے مخاطب ہوا۔ کہ سندہانوالے سردار نمکحرام ہوگئے ہیں۔ ان نمکحرامون نے سرکشی کرکے پہلے ہمارے بادشاہ کو کمال سنگدلی کے ساتھ قتل کیا۔ پہر اوس کے بیگناہ بیٹے کو بہی بیرحمی سے مارڈالا اب ان ظالمون نے اُس کے وزیر کا بہی خون کر ڈالا ہے۔

ان نمکحرامون نے بہت بُرا کیا۔ کہ پایہ تخت لاہور میں تلوار چلاکر خالصہ سلطنت میں پہوٹ کا بیج بیکر انتظام کو درہم برہم کرنا شروع کر دیا ہے۔ وجہ ان تمام خونریزیون کی یہ ہے کہ سندہانوالے سردار نمکحرام ہوکر انگریزون کے ساتھ جا ملے ہیں اور اب قوم اور ملک کو ذلیل بدنام اور تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

اگر ان مکارون کا قرار واقعی تدارک نکیا جاویگا تو خالصہ قوم کو ملازمت نہیں ملیگی۔ اور سکہون کی روٹی کا مدار صرف تلبہ رانی پر رہ جائیگا۔

تقریر کے خاتمہ پر راجہ ہیرا سنگہ نے کہا۔ کہ سکہہ بہائیو۔ راجہ دہیان سنگہ جیسا میرا باپ تھا۔ ویسا ہی تم لوگون کا بہی باپ تہا۔ وہ مجہکو اور تم لوگون کو ایک ہی نظر سے دیکہتا تھا۔ بلکہ تم لوگون پر جس حد تک مہربان تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں تم لوگون کی موجودگی میں اوس کا اس طرح مارا جانا سخت مصیبت ہے۔ اُس کی موت کا بدلا لینا لازمی ہے۔ اس خدمت کے صلہ میں پیدل فوج کی طلب فی پیادہ بارہ روپیہ کے حساب سے اور سوارون کی طلب فی سوار تیس روپیہ ماہوار کے حساب سے دی جائیگی۔ راجہ ہیرا سنگہ کی یہ جادو بہری تقریر نہایت موزون بہی اور موقعہ اور جوش پیدا کرنے والی تہی۔ ترقی کا وعدہ سنکر سکہہ لوگ جامہ میں پہولے نہ سمائے۔ اور تمام فوج میں انتقام گیری کا ایسا جوش پیدا ہوا۔ کہ سندہانوالہ سردارون پر اسیوقت حملہ کی تیاری ہوگئی۔ حالانکہ راجہ ہیرا سنگہ ایسے اندہا دہند حملے کے بالکل برخلاف تھا اور چاہتا تھا۔ کہ سرکش سردارون کو کسی سنجیدہ طریقہ کے ساتھ گوشمالی دی جائے۔ لیکن صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقارہ خا

میں فوجی سکھوں نے راجہ ہیرا سنگہ کی ایک بھی نہ سُنی - اور غروب آفتاب کیوقت سو توپوں کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کرلیا - رات بھر ہر دو طرف سے توپ چلتی رہی -

صبح ہوتے ہی راجہ ہیرا سنگہ نے وعدہ کیا کہ اگر اس وقت قلعہ کی دیوار توڑکر اندر جانے کا راستہ بن جائے - تو معقول انعام بھی دیا جائیگا - اور قلعہ کی لوٹ میں جو نقد و جنس ہاتھ آئیگی - وہ بھی آپ لوگوں کا ہی مال تصور ہوگا - بس پھر کیا تھا - توپچیوں نے قلعہ کی دیوار کا ایک موقعہ تاڑ کر تاک تاک کر وہ توپیں لگائیں - کہ آخر کار دیوار پھٹ گئی اور اندر جانے کا ایک خاصہ دریچہ بن گیا - ادہر رائے کیسری سنگہ بھی سیڑہیاں لگا کر قلعہ کی دیواروں پر سوار ہوگیا - اور جو آگے آیا - اوسکو تلوار کی گھاٹ اُتارا - اس طرح سے قلعہ دیکھتے دیکھتے ہی سر ہوگیا - اور اجیت سنگہ معہ ایک مصاحب کے جسکا نام گھسیٹا مہر تھا - قلعہ پر سے کودتا ہوا گرفتار ہوا -

گرفتار کنندہ ایک مسلمان سپاہی تھا - اجیت سنگہ نے اپنے سونے کے کڑے اوسکو رشوت میں دے - لیکن اس وفادار اور سیر چشم سپاہی نے اس بیش بہا رشوت کو نامنظور کرکے فوراً اُس کا سر کاٹ لیا - اور راجہ ہیرا سنگھ کے آگے جا دہرا - راجہ ہیرا سنگھ مہاراجہ شیر سنگھ اور اپنے باپ کے قاتل کا سر اپنے پانو میں پڑا ہوا دیکھکر بہت خوش ہوا جس کے صلہ میں اس قاتل کا قاتل سپاہی انعام و اکرام میں غرق ہوگیا - اور ہیرا سنگھ نے اس سر کو اُٹھا کر اپنی سوتیلی والدہ کے آگے رکھا - جس سے اُس کے خشم ناک اور غم آلودہ دل کو اس قدر شانتی ہوئی - کہ راجہ دہیان سنگہ کی کلغی جو اوسکے پاس تھی - اوس نے ... اپنے ہاتھ سے راجہ ہیرا سنگھ کے سر پر لگائی --- اور خود خوش ہوکر ستی ہوگئی - اس رانی کی ایک گولی جو عمر میں صرف دس برس کی تھی - نہایت حسین تھی -

رانی اس کو اور یہہ رانی کو بہت پیاری تھی - جب رانی ستی ہونے لگی -

اُس نے اپنی اس پیاری گولی کو ستی ہونے سے روکا - اور راجہ ہیرا سنگھ کے حوالہ کیا - مگر یہ کب ممکن تھا - لڑکی کو رانی کی جدائی منظور نہ تھی - اُس کو زندگی موت اور موت زندگی نظر آتی تھی - اور رانی کے ساتھ اُس کے قدموں میں اپنے سر کو رکھکر جل مرنے کو عین راحت خیال کرتی تھی -

رانی نے کمال محبت سے اُس کو تین دفعہ سمجھایا - کہ بیٹی تو معصوم ہے اور میری خوشی اسی میں ہے - کہ تو ستی ہونے سے باز آ - لیکن یہ گولی الفت کی آگ سے جلکر پروانہ بنی ہوئی تھی - اور رانی اُس کی نظروں میں شمع کا حکم رکہتی تھی - وہ چاہتی تھی - کہ جون توں ہوسکے - پروانہ وار اوس پر فدا ہوجائے - اور رانی کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ اپنی زندگی کا بھی خاتمہ کردیوے - یہ ایک سچی محبت کا جادو تھا - اس کو رانی کی محبت آمیز فہمایش کب توڑ سکتی تھی - لڑکی نے مجبور ہوکر صاف لفظوں میں کہا کہ اگر اوس کو ستی ہونے کی اجازت نہ دی جائیگی - تو وہ کسی اور طریقہ سے اپنی جان پر کھیل جائیگی - لڑکی کی اس قطعی تقریر نے تمام پند و نصایح کا خاتمہ کردیا - مجبور ہوکر رانی نے اُس کو بھی اپنے چکا پر سوار کیا - اور رانی اور گولی دونوں ستی ہوگئیں -

اب سردار لہنا سنگھ کی کیفیت سنئے - وہ ایک جگہ چھپا ہوا تھا - اور ایک وفادار سکھ جس کا نام راہ سنگھ تھا - ننگی تلوار سے اوسکا پہرہ دے رہا تھا جو شخص اُس کے نزدیک آتا تھا - اس وفادار سکھ کی تلوار کا شکار ہوجاتا تھا راہ سنگھ نے ۱۳ - آدمیوں کو قتل کیا - لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر مناوے - ...... چودہویں حملہ آور کے ہاتھ سے راہ سنگھ بھی مارا گیا - اور مرتے مرتے بھی اوس کے مونہہ سے یہی آواز آئی تھی - کہ میرے سردار کو اسطرح ذلیل کرکے مت مارو -

اجیت سنگھ کے مارے جانے کے بعد راجہ ہیرا سنگھ نے لہنا سنگھ کے سر کا مول دس ہزار روپیہ مقرر کر رکھا تھا - جب راہ سنگھ مارا گیا تو کسی

نے اس کا یعنے لہنا سنگھ کا سر بھی کاٹکر ہیرا سنگھ کے آگے جا رکھا - اور دس
ہزار روپیہ کا موعودہ انعام حاصل کیا -
ان دونوں سرداروں کے مارے جانے کے بعد اُن کے گھر گرائے گئے
اُن کی جاگیریں ضبط کی گئیں - اور اون کے طرفدار چُن چُن کر مارے گئے -
حتے کہ بہائی گورمکہہ سنگھ بھی قتل کیا گیا - اور اس طوفان نے تمیزی بیں مصر بیلی رام
بھی مارا گیا - جوکہ نہایت دیانتدار اور مدبر اہلکار تھا - باوجود ان تمام انتقام گیریوں
کے غصہ کی آگ تب تک فرو ہو سکی - جب تک کہ لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ کی
لاش گھسیٹ گھسیٹ کر تمام شہر میں نہ پہرائی گئی - سردار عطر سنگھ کو جو اونکی
مدد کو آرہا تھا - جب ہر دو سرداروں کے اسطرح سے مارے جانے کا حال معلوم
ہوا - تو وہ دم دبا کر واپس بہاگا -

راجہ سوچیت سنگھ کی شہادت

راجہ ہیرا سنگھ نے سندہانوالیہ سرداروں سے جب باپ کا بدلا لیلیا - تو قلعہ میں جاکر
مہاراجہ دلیپ سنگھ کے پانوچہوے - اور تمام فوج کو ایک ماہ کی طلب انعام
میں دی - پہر ماہ ستمبر ۱۸۴۳ء میں ایک دربار عام لگایا گیا - جس میں تمام جاگیرداروں
اور جنگی اور ملکی عہدہ داروں کی موجودگی میں دلیپ سنگھ پنجاب کا مہاراجہ اور
ہیرا سنگھ اوس کا وزیر نامزد ہوا - اس وقت راجہ ہیرا سنگھ ۲۵ - برس کا
اور مہاراجہ دلیپ سنگھ صرف ۶ - برس کا تھا -
راجہ ہیرا سنگھ نے وزیر بننے سے بارہا انکار کیا تھا - اور عذر یہ اٹھایا تھا کہ
اوس کے مخالف بہت ہیں - لیکن فوج نے جو ممنون احسان تھی -
ایک بھی نہ سنی - حتے کہ دشمن کش راجہ ہیرا سنگھ نے جن اشخاص پر اپنی
بدگمانی ظاہر کی - فوجی سرداروں نے یا دوسرے لفظوں میں فوجی بہیوں نے

ان بدنصیبوں کو اسیوقت یا قتل یا گرفتار کیا - جس پر راجہ ہیرا سنگھ نے وزارت
کے عہدہ کو قبول کیا اور اپنے چچا کو بھی اسی وزارت پر نثار کیا -
اول تو وزارت کا کام ہر ایک زمانہ میں بہت ٹیڑہی کھیر ہوتا ہے - لیکن اس زمانہ
کی مدار المہامی اور بھی نیم چڑہا کریلا بنی ہوئی تھی - اس واسطے جب تک راجہ ہیرا سنگھ
جیتا رہا - تب تک مشکلات میں ہی مبتلا رہا - اور نتیجہ یہ نکلا - کہ جس وزارت کے
قبول کرنے سے پہلے وہ انکاری ہوا تھا - پیچہے سے اس پر وہ یہان تک
دل دادہ ہوا - کہ پہلے اس نے اس عہدہ پر قایم رہنے کے لئے اپنے چچا
کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا - اور آخر کار اپنا خون بھی اسی وزارت
پر نثار کر دیا -
باوجود اس کے یہ ماننا پڑتا ہے - کہ راجہ ہیرا سنگھ جو کہ کسیقدر انگریزی اور فارسی
بھی جانتا تھا - گو ابھی کم عمر اور ناتجربہ کار تھا - تاہم وہ صرف مدبر اور حکمتی ہی نہیں
بلکہ کام نکالنے کیوقت وہ اپنی شیرین زبانی سے جادو کا کام کر جاتا تھا -
اور اوس کی وزارت اوس زمانہ کے حالات کے مطابق نہایت موزون تھی -
لیکن خالصہ سلطنت کے حالات ایسے بگڑ چکے تھے - کہ یہ ممکن نہ تھا - کہ
راجہ ہیرا سنگھ اپنی راجپوتی آن بان کو بھی قایم رکھتا - اور ہر ایک آفت سے
بھی بچا رہتا - اوس کے باعث حسب ذیل تھے -
(۱) راجہ صاحب موصوف امورات سلطنت میں ہر حالت میں جلا پنڈت
کے مشورے پر کاربند رہتے تھے - جو گو اول درجہ کا منتظم اور با اصول
آدمی تھا - لیکن بوجہ اوس کی نظمی سختیوں اور ویسہ دہنی کے تمام دربار
اوس کا دشمن جانی تھا - بلکہ اس کو راجہ سوچیت سنگھ سے بھی جس کو
رانی جندان اپنا وزیر بنانا چاہتی تھی - اسی رانی جندان کی مہربانی سے
سخت عداوت تھی -
(۲) کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام نہاد بیٹے

تھے- اون کا خاتمہ کرنے میں جو کچھ کاروائیاں راجہ ہیرا سنگھ کو کرنی پڑیں- اون سے بھی راجہ صاحب موصوف کی بہت بدنامی اور بدگمانی ہوئی

(۳) متواتر جنگوں سے خزانہ خالی- اور مالیہ وصول طلب تھا جس کے وصول کرنے میں سخت تنگ طلبی کی گئی- جو کہ ایک لازمی امر تھا- اس کارروائی نے بھی جلتی آگ میں تیل کا کام دیا-

(۴) راجہ سوچیت سنگھ وزارت کے خواہان تھے- اور رانی جنداں جو کہ اون پر دل وجان سے فریفتہ تھی- اونکی مددگار تھی-

راجہ ہیرا سنگھ کے وزیر بننے کے بعد پہلی خرابی یہی ہوئی- کہ راجہ سوچیت سنگھ صاحب نے اون کے برخلاف ہاتھ پیر مارنے شروع کئے- جس پر رانی جنداں کا بھائی سردار جواہر سنگھ اوس کا یہانتک طرفدار ہوا کہ ایک موقعہ پر جبکہ فوج کا جلسہ ہو رہا تھا- سردار مذکور فیل سوار ہوکر مہاراجہ دلیپ سنگھ کو فوج میں لیگیا- جہاں اُس نے مہاراجہ مذکور کو گود میں بٹھا کر سرداران فوج کے آگے راجہ ہیرا سنگھ کی شکایت کی- اور کہا کہ راجہ صاحب موصوف مہاراجہ اور رانی جنداں کی بات بات پر سخت بیعزتی کرتے ہیں- جس سے اگر ان کو نجات نہ ملیگی- تو بحالت مجبوری انگریزون سے مدد مانگی جائیگی-

سردار جواہر سنگھ کی اس تقریر سے فوج کو اوس کی جانب سے اکٹھی بدگمانی پیدا ہوئی جس پر راجہ ہیرا سنگھ نے سردار مذکور اور راجہ سوچیت سنگھ کو ملک اور قوم کا دشمن سلطنت کا نمکحرام اور بدخواہ اور انگریزون کا طرفدار قرار دیا- اور مشہور کیا- کہ یہ دونون مہاراجہ دلیپ سنگھ کو انگریزون کا باجگذار بنانا چاہتے ہیں- بلکہ یہ بھی شہرت ہوئی- کہ سردار جواہر سنگھ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو فیروزپور میں لیجا کر انگریزون کے سپرد کرنیکو تیار ہے- جس پر راجہ ہیرا سنگھ نے اُس کو قید کر ڈالا اور راجہ سوچیت سنگھ کو کمزور کرنیکے لئے ادہر تو اُس کی دو پلٹنیں توڑ ڈالیں- اُدھر اُس کی آمد و رفت

رانی جنداں کے پاس سے بند کر دی- بلکہ سردار لعل سنگھ کو بھی رانی جنداں کے پاس نہ جانا ملا-

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب راجہ ہیرا سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کے تعلقات کو اس حد تک بگڑے ہوئے پایا- تو راجہ سوچیت سنگھ کو معہ اسکی پرائیویٹ فوج کے اپنے ساتھ جموں کو لیگیا- جہاں مہاراجہ رنبیر سنگھ کو اونکا متبنیٰ بنا دیا- کیونکہ راجہ سوچیت سنگھ لاولد تھے- لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی اس دور اندیشی سے نفاق کی وہ آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی- کسیطرح کم نہ ہو سکی-

راجہ ہیرا سنگھ نے جو جو منصوبے کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ کی بربادی کے لئے تیار کئے تھے اُن سے کل فوج راجہ ہیرا سنگھ کی اس حد تک مخالف ہو گئی- کہ انہون نے صرف سردار جواہر سنگھ کو ہی قید سے رہا نہیں کیا- بلکہ راجہ ہیرا سنگھ سے یہ بھی اقرار لیا- کہ آیندہ جلا پنڈت کا امورات سلطنت کے ساتھ بالکل کوئی تعلق نہ رہیگا-

لیکن راجہ ہیرا سنگھ نے اُس زبانی وعدہ کو کبھی پورا نہیں کیا جس سے نوبت یہانتک پہونچی- کہ فوج کے ایک حصّہ کے سرداروں نے ایک ڈوگرے سردار کے ذریعہ راجہ سوچیت سنگھ کو وزارت کا عہدہ ملنے کا یقین دلوا کر کوہستان سے بلا بھیجا- اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی- کہ اگر یہ موقعہ ہاتھ سے چلا گیا تو وزارت کا ملنا مشکل ہو جائیگا- راجہ صاحب اس جھانسے میں آکر معہ اپنی فوج کے فوراً شاہدرہ میں آپہونچے- جہاں سے انہون نے طلب کنندہ سرداران کو اپنے آنیکی خبر دی- اور اُن کو اپنے پاس بلا بھیجا- مگر راجہ ہیرا سنگھ نے خبردار ہوکر اُن سب کو رات بھر میں ہی یہانتک اپنا طرفدار بنا لیا تھا- کہ راجہ سوچیت سنگھ کے پاس کوئی سردار نہ گیا- اور نہ اب کسی کو اُن کے وزیر بنانیکا خیال رہا جب راجہ سوچیت سنگھ نے رنگ زمانہ بگڑا ہوا دیکھا- اور اُن لوگون کے

اطوار بدلے ہوئے پائے۔ کہ جن کے بھروسے پر وہ اپنے وطن سے کوچ
کرکے آئے تھے۔ تو رائے کیسری سنگھ کے مشورے سے چار سو
سواروں کی جمعیت کو ہمراہ لیکر وہ خالصہ فوج کے سواروں کے رسالہ
میں تشریف لیگئے۔ راجہ سوچیت سنگھ کو امید تھی۔ کہ وہ ضرور مدد کرینگے۔
لیکن اُنہوں نے بھی سکھ فوج کے مقابلہ میں مدد دینے سے صاف
انکار کیا۔ بلکہ ازراہ خیراندیشی کوہستان کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔
یہ واقعی طور پر ایک نہایت محتاط اور سنجیدہ مشورہ تھا۔ حتےٰ کہ راجہ ہیرا سنگھ
نے بھی بدیں خیال کہ باہمی خانہ جنگی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ بہت چاہا تھا کہ
کسیطرح راجہ سوچیت سنگھ صاحب واپس چلے جاویں۔ لیکن ہونی بات
کرے۔ انہونی راجہ سوچیت سنگھ نے ایک بھی نہ مانی۔ اور پست حوصلہ ہونیکی
جگہ اسقدر پُرجوش ہوئے۔ کہ میاں وڈا کی مسجد جو کہ متصل تھی۔ اُسمیں جاکر
قیام کیا۔ اور اُس کی ناپائیدار چاردیواری کو ایک سنگین قلعہ کی عزت دیکر اپنی
کل فوج کو وہاں ہی طلب کر لیا۔ اور رات پر گرنتھ صاحب سنتے ہی۔ پھر تو راجہ
ہیرا سنگھ نے بھی فوج کے سرداروں اور پنچوں کو جمع کرکے اُن کے آگے
ہاتھ جوڑے۔ اور اُن کے حضور میں حسب ذیل موزوں اور باموقعہ تقریر کی۔
خالصہ جی! تمہارے وزیر کا بیٹا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پالک اس خالصہ
اجلاس میں ایک ناچیز سایل کی حیثیت سے حاضر ہے۔ آپ مہربانی کرکے
یہ فرمائی۔ کہ میں نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ آپ لوگوں نے میرے چچا کو جو کہ
فرنگیوں کا طرفدار اور میرا جانی دشمن ہے۔ میرے مارنے کیواسطے اسطرح
بیجا اگی یہاں طلب فرمایا ہے۔ کیا مجھکو آپ لوگوں سے یہی امید تھی۔
خالصہ فوج قوم اور ملک کی خادم ہے۔ میں ایسے بہادروں کے ہاتھ سے
قتل ہونے کو رضامند ہوں۔ اور اُن کے ہاتھ سے مارے جانے کو
بڑی عزت سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ لوگوں کو واہگورو جی کی قسم ہے ایسا نہ کرو

میں ذلیل اور خوار کرکے مارا جاؤں۔ اگر آپ لوگ میرے چچا کے مددگار
نہیں ہیں۔ تو اوس کا یہاں کیا کام تھا۔ اور وہ اپنے کوہستانی وطن سے
اس میدانی ملک میں کیوں آیا ہے میں آپ کے وزیر کا بیٹا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ
کا پالک ہوں۔ میری مدد کرو۔ اور میرے چچا کے ساتھ جو میرا دشمن ہے۔
لڑکر مجھ کو اُس کے آسیب سے بچاؤ۔
مجھکو یقین ہے اسکا اجر اور پھل آپ لوگوں کو ست گورو سے ضرور دیگا۔
یہ ایک ایسی فصیح تقریر تھی۔ کہ جسکو سنکر جملہ حاضرین راجہ ہیرا سنگھ کے پسینے پر اپنا
خون گرانیکو تیار ہوگئے۔ اور گو افسران فوج کو اس خانہ جنگی کیواسطے تیار
کرنے کے لئے اور کسی طرح جوش دلانیکی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر راجہ ہیرا سنگھ
نے ایک اور سوائی یہ بھی لگادی۔ کہ اس خدمت کے معاوضہ میں فی سوار
پیادہ اور گولہ انداز ایک ایک ٹکہ۔ اور فی افسر ایک ایک کنٹھا انعام دینے کا
بھی وعدہ کیا۔ بس یہاں دیر ہی کیا تھی۔ ۱۵ ہزار پیادہ فوج اور ۳ ہزار سواروں
کے رسالے اور ۵۶ توپوں نے راجہ سوچیت سنگھ اور اُس کے چند ساتھیوں
پر فوراً لشکر کشی کردی۔ اور سیلابی پانی کیطرح سے میاں وڈے کی خانقاہ کو ایک
پل میں جاکر ہر طرف سے گھیر لیا۔ گویا ایک مکھی کے شکار کے لئے ایک پہاڑ
جنبش میں آیا۔ اور اُس کے پتھر برسنے لگے۔
راجہ سوچیت سنگھ کو اس حملہ کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی۔ بلکہ میاں اشرف الدین
جو اس خانقاہ کا سجادہ نشین تھا۔ اُس نے محاصرہ کیوقت بہت کوشش
کی۔ کہ کسیطرح سے راجہ صاحب جان بچاکر بھاگ جانے پر رضامند ہو جاویں
تو وہ اُس کا عمدہ طور سے انتظام کردیوے۔ حتےٰ کہ اُس نے یہ بھی برملا
کہدیا۔ کہ اگر آپ یہاں سے تشریف نہ لیجاوینگے۔ تو خانقاہ بھی مسمار
ہو جاویگی۔ اور جو فقیر لوگ اس میں رہتے ہیں۔ جن میں سے زیادہ نابینا ہیں
وہ بھی مارے جاوینگے۔

ادھر گو راجہ ہیرا سنگھ نے اس کثیر التعداد فوج کے ساتھ راجہ صاحب موصوف کو اسطرح گھیر لیا۔ کہ جس طرح شکاریوں کی ایک بڑی بھاری جماعت ایک تن تنہا شیر کے مارنے کیواسطے بیشمار تیاریان کرتی ہے۔ لیکن تاہم راجہ ہیرا سنگھ کی خواہش اسوقت تک بھی یہ ہی تھی۔ کہ اگر راجہ صاحب موصوف اب بھی واپس جانا منظور کریں۔ تو فوج کو واپسی کا حکم دیا جاوے۔ لیکن اُس راجہ سوچیت سنگھ کو کہ جس کی دونوں مونچھوں پر دو نیمو ٹھہر سکتے تھے۔ یہ کب گوارا ہوسکتا تھا۔ کہ جموں کی جمہوریان اُس کو یہ کہکر بدنام کریں کہ راجہ سوچیت سنگھ میدان جنگ میں سے بھاگ آیا ہے۔ آخر کار باہر گولہ باری شروع ہوئی۔ آنکھوں والے درویشوں نے بھاگ کر جہاں جس کے سینگ سمائے وہاں جاکر پناہ لی۔ اندھے فقیر وہاں ہی ڈھیری ہو گئے۔ جب خانقاہ کی دیواریں بھی اوپر سے گرنے لگیں۔ تو گرنتھی نے گرنتھ صاحب کی کتھا سماپت کی۔ اور شیروں کی جماعت خم ٹھوک کر میدان جنگ میں نہتّے چلے آئی۔ راجہ سوچیت سنگھ سکھوں کی فوج کی پہلی قطار کے آگے اس بیفکری کے ساتھ چلا آیا۔ کہ جس طرح سے کوئی شیر شکار کھیلنے کے شوق سے بھیڑوں کے اجڑ میں چلا آتا ہے۔ اور اُن سے مخاطب ہو کر یوں بولا۔

راجہ سوچیت سنگھ کی تقریر

سنو خالصہ جی! مجھکو وزارت کی کوئی آرزو نہ تھی۔ میں اپنے کوہستانی وطن میں بیٹھا ہوا تھا۔ تم لوگوں نے میرے پاس پیغام بھیجے۔ اور ترغیب اور امیدیں دیکر مجھکو یہاں طلب کیا۔ جس پر میں آپ لوگوں کا اعتبار کر کے یہاں آیا اب آپ لوگ اس قدر جماعت کثیر کے ساتھ مجھکو مارنا چاہتے ہو۔ یہ آپ لوگوں کو مناسب نہ تھا۔ بہرحال جو کچھ آپ لوگوں نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اوس کا مجھکو کوئی شکایت نہیں ہے۔ لیکن میری جماعت جسمیں

صرف وہ ہی چند جان نثار ملازم ہیں۔ جنہوں نے کہ اس آزمایش کے وقت میں مجھ سے جدا ہو کر زندہ رہنے کو ہم دکھ اور ایک بڑی بھاری مصیبت خیال کیا ہے۔ آپ لوگوں کی فوج عظیم کے مقابلہ میں اس طرح ہے۔ کہ جس طرح آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ اس لئے میری صرف یہ تمنا ہے۔ کہ اگر آپ لوگ اس جنگ کو ایک تاریخی وقوعہ بنانا چاہتے ہو۔ تو میرے ساتھ سچے بہادروں کی طرح لڑو۔ میں آگے بڑھتا ہوں۔ آپ لوگوں میں سے بھی ایک ایک آدمی آگے بڑھ بڑھ کر میرے ساتھ زور آزمائی کرے۔ تا کہ دنیا کو بھی معلوم ہو۔ کہ راجپوت لوگ کیسے بہادر ہوتے ہیں۔

یہ کہا۔ اور راجہ سوچیت سنگھ اس طرح آگے کو بڑھا۔ کہ جسطرح سے ایک شیر جسطرف چاہتا ہے۔ بلا ڈھڑک چلا جاتا ہے۔ اُس کی تقریر کو سن کر سکھوں کی تمام فوج سُن ہوگئی۔ سب کے ہوش ہرن ہو گئے۔ کسی سپاہی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تمام فوج میں سنسنی سی چھا گئی۔ آخر کار رائے کیسری سنگھ جو راجہ سوچیت کا وزیر بھی تھا۔ اور اپنی جوانمردی اور وفاداری میں بھی اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ اپنی جماعت میں سے نکلکر راجہ سوچیت سنگھ کے پاس گیا۔ اور ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جماعت میں کھینچ لایا۔

چند لمحوں تک دونوں فوجوں میں سے کسی نے بھی آگے کو پیش قدمی نہیں کی لیکن راجہ سوچیت سنگھ کی مٹھی بھر جماعت جسمیں کل تمامی ڈھائی سو سوار اور ڈیڑھ سو پیادہ فوج شامل تھی۔ سخت بیقرار تھی۔ اُن کا سر اُن کے جسم پر اُن کو جوش مردانگی سے بار گراں معلوم ہوتا تھا۔ جنگ میں مرنے کے برابر دنیاوی زندگی میں اُن کو کوئی ہی سو کھہ معلوم نہیں ہوتا۔ سب نے اپنے سر ہاتھ پہ رکھے ہوئے تھے۔ حملہ کرنیوالی فوج کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ کہ ان شیر دلوں پر جو موت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حملہ کرے۔

آخر کار یہ ہی جوانمرد تلواریں سونت کر آگے کو بڑھے۔ اور دشمن پر اس طرح اگر

تلوار کی آگ برسانے لگے - کہ جسطرح کسی گھاس پھوس کے جنگل پر بجلی گر پڑتی ہے - مر تا کیا نہیں کرتا ہے - ڈوگروں نے یہ حملہ اس تندہی اور جوش و خروش کے ساتھ کیا - کہ گویا سکھوں کے دل میں موت آکر شکار کھیلنے لگی - تمام سکھ ایسے خوف زدہ ہوئے - کہ آگے کی چار پلٹنیں واقعی طور پر اس طرح بھاگ نکلیں کہ جس طرح ایک بھیڑوں کا گلہ شیر کی شکل دیکھکر منتشر ہو جاتا ہے -
تیس سکھ ایک دا ہی میں مارے گئے - اس سے سکھوں کی فوج میں اور بھی گبراہٹ پیدا ہوئی - کسی میں بندوق چلانیکی طاقت نہیں رہی - حالانکہ راجہ ہیرا سنگھ ہاتھ میں مشعل لیکر پیچھے سے بار بار شاباش شاباش کے آوازے کس کر اُن کا حوصلہ بڑھاتا تھا -
مگر بیچارے سکھ کیا کرتے جو آگے بڑھتا تھا - اوس کا سر اسیطرح کاٹا جاتا تھا - کہ جس طرح کوئی شخص گاجر یا مولی کو کاٹ ڈالتا ہے -
ڈوگری تلوار کے آگے سکھوں کی توپ اور بندوق بیکار ہوگئی - ڈوگروں نے اپنی مردانگی اور شجاعت کے خوب جوہر دکھائے - ایسا کوئی ڈوگرہ نہ تھا جو کہ ایک دو سکھوں کو مار کر نہ مرا ہو - بسنت سنگھ جو کہ راجہ سوچیت سنگھ کا مصاحب تھا - ۱۷ سکھوں کو تہ تیغ کر کے شہید ہوا - راجہ سوچیت سنگھ تین سکھوں کو ملک عدم کی راہ دکھا کر دو گولیوں سے زخمی ہو کر گر پڑا -
رائے کیسری سنگھ اب تک ۹- آدمیوں کو دشت عدم کیطرف روانہ کر چکا تھا - اس جوانمرد کا تمام جسم گلہائے زخم سے چونکہ لاتعداد تھے - ایک باغ بہار کیطرح شگفتہ تھا - زخم کہا کہا کر گر پڑتا تھا - لیکن دم سنبھال سنبھال کر پھر کمال طیش سے کھڑا ہو جاتا تھا - اور مخالفین پر اسطرح حملہ آور ہوتا تھا - کہ جسطرح زخمی شیر حملہ کرتا ہے - جب وہ لاثانی بہادر جس کی دنیا میں کوئی نظیر نظر نہیں آتی - اس طرح سکھوں کو قتل کر چکا - تو پھر اُس میں دوبارہ اُٹھنے کی طاقت نہیں رہی - آخر کار سر کے بل گر پڑا - اس جنگ میں سکھوں کے کل ۱۲۰ - آدمی

مارے گئے - اور فریق ثانی میں سے کوئی بھی نہ بچا -
بھیم سین جو کہ راجہ سوچیت کا دوسرا وزیر تھا - اُس نے بھی خوب بہادری دکھائی جب راجہ ہیرا سنگھ نے دیکھا - کہ راجہ سوچیت سنگھ کا کوئی آدمی بھی جنگ جاری رکھنے کیواسطے باقی نہیں - تو اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا - اور خود شہیدان جنگ کا ملاحظہ کرنے لگا - سب خاک کے بستر پر اپنے خون کی رنگین چادر کو اوڑھ کر کمال آسودگی کے ساتھ ملک عدم کی چارپائیوں پر ایسے مست سو رہے تھے - کہ نہ اُن کو بیدار کرنے کی کسیکو طاقت تھی - اور نہ کوئی اُن کو کسی قسم کی تکلیف پہونچا سکتا تھا - بلکہ اب اُن کے دلوں میں نہ کسی کا خوف تھا - اور نہ کوئی خواہش باقی تھی - لیکن ایک جوانمرد ہنوز زندہ تھا - اور یہ جوانمرد وہی رائے کیسری سنگھ تھا - جس کا ثانی تجربہ کار جنگ آزمودہ اور بہادر سپاہی کا پیدا ہونا ناممکن ہے سب سے پہلے راجہ ہیرا سنگھ کی نظر اسی جود بے پر پڑی - اس وقت یہ رستم ثانی جانکنی کی حالت میں تھا - تاہم اُس نے راجہ ہیرا سنگھ کو دیکھا اور جے دیوا کی - بلکہ اشارہ سے پانی مانگا - لیکن ہائے افسوس کہ اس سراپا مجسم شجاعت اور وفاداری کو جو کہ بجائے پانی کے آب حیات کا مستحق تھا - پانی کے ایک گھونٹ کے جگہ یہ خشک جواب ملا - کہ پنجاب کے میدانوں میں پانی کہاں ہے - پانی کے چشمے پہاڑوں میں ہوتے ہیں -
رائے کیسری سنگھ نے جب راجہ ہیرا سنگھ کا یہ جواب سُنا - حسرت سے اُس کی طرف ایک نگاہ کی - اور سُرگ کی راہ پکڑی -
اُس کے بعد راجہ ہیرا سنگھ تھ ۔ ہ اور آگے جو بڑھا تو راجہ سوچیت سنگھ کی لاش کو اور مردوں کے ساتھ خاک میں خون آلودہ اور افتادہ دیکھا - اب محبت کے خون نے رگوں میں جوش مارنا شروع کیا - سینہ کینہ سے صاف ہو گیا - عداوت کی وحشت دور ہوئی - محبت کی انسانیت نزدیک آئی - اپنی کرتوت پر غور کیا -

ڈوگرے لوگ چھتری راجاؤں اور تمام راجپوتوں کو سلام یا بندگی کی جگہ جے دیوا کہتے ہیں - جس کے معنے ہیں - کہ اے دیوتم کو فتح حاصل ہو -

دنیا کی بے اتفاقی سے بھی دل پر چوٹ لگی - جو گہر ہوگ تماشہ وقوع میں آیا تھا - اس سے سخت پشیمان ہوا - رنج و غم کی فوج نے ہر طرف سے آکر دل کے قلعہ کو ایسا محصور کیا - کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے - ایک مظلوم عورت کیطرح بہ آواز بلند رونے لگا - خوب چھوٹ کر دیا - لیکن اب کیا ہو سکتا تھا - جو پیشانی میں لکھا تھا - پیش آچکا تھا - آخرکار راجہ سوچیت سنگھ کی لاش کو اپنی پالکی میں سوار کرا کر قلعہ کو لے آیا - رائے کیسری سنگھ اور بھیم سین کی لاشوں کی بھی عزت کی - اور آدمیوں کی لاشیں بھی اُن کی حیثیت کے مطابق عزت کے ساتھ جلائی گئیں -

راجہ سوچیت سنگھ کی لاش تمام اہلکاروں کی موجودگی میں تمام عزت کے ساتھ جلائی گئی - اور جب تک وہ جلتی رہی - راجہ ہیرا سنگھ بھی وہاں ہی رہے - یہ جنگ ۱۸۴۴ء کو ہوا تھا -

جب راجہ سوچیت سنگھ کی رانیوں کو اس واقعہ کی خبر ملی - تو وہ سب کی سب جو تعداد میں پانچ تھیں - راجہ سوچیت سنگھ کی پگڑی کے ساتھ ستی ہو کر جل گئیں

راجہ ہیرا سنگھ کا مارا جانا

اصلی بات تو یہ ہے - کہ اگر رانی جنداں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گھر میں نہ آتی یا اُس کی زندگی میں مر جاتی - تو نہ راجہ سوچیت سنگھ نہ جلا پنڈت اور نہ راجہ ہیرا سنگھ مارا جاتا - اور نہ خود رانی جنداں کا بھائی جواہر سنگھ بھی قتل ہوتا بلکہ سکھ لوگ انگریزوں کے ساتھ احمقوں والی لڑائی لڑتے - اور نہ قوم اور ملک کی بربادی ہوتی - جس قدر عداوتیں پڑیں نفاق پھیلے اور خونریزیاں ہوئیں وہ سب اُسی کے حسن و جمال کے ایک نیم ناز کا نتیجہ تہیں - اس میں شک

نہیں ہے - کہ جلا پنڈت ایک سخت گیر آدمی تھا - اور وجہ اپنی دیانتداری کے انتظام کو قایم رکھنا چاہتا تھا - اور بد اعمال شخصوں کو سخت سزائیں دیتا تھا اور کسی کی سفارش بھی نہیں سُنتا تھا - بلکہ دریدہ دہن اور مونہہ پھٹ بھی پرلے درجہ کا تھا - اور بد اعمال لوگ جنہوں نے اس کو سخت بدنام کر رکھا تہا - چاہتے تھے - کہ وہ امورات سلطنت سے کسی طرح کنارہ کش ہو جائے - اور راجہ ہیرا سنگھ اُس کے اتفاق رائے اور مشورے سے کوئی کام نہ کرے -

لیکن سب سے زیادہ اُس کی بربادی سردار لعل سنگھ نے کی - جو در اصل راجہ دھیان سنگھ کا سبز کردہ تھا - اور راجہ ہیرا سنگھ سے زیادہ تر اس واسطے ناراض تھا - کہ اُس نے اُس کی آمد و رفت رانی جنداں اور اوسکی بد کار گولی منگلاں کے پاس سے بند کر دی تہی - جو گہری سازشیں اس سردار نے راجہ ہیرا سنگھ کے برخلاف کر رکھی تہیں - راجہ ہیرا سنگھ کو اُن کی بالکل خبر نہ تھی - باعث یہ تہا کہ ایک تو سردار مذکور اسکی اپنی پارٹی یا جماعت کا آدمی تھا - دویم اُس کی سازشیں بہت گہری اور خفیہ تہیں اور اُن کے پوشیدہ رکھنے کے لئے اُس نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ روز روشن میں وہ راجہ ہیرا سنگھ کے مشوروں میں شامل رہکر اُس کی طرفداری اور خیر اندیشی کا دم بہرتا رہا - اور رات کے وقت اُس کی عقل پر جو ہین تاریکی کا پردہ پڑتا تہا - فوراً سردار جواہر سنگھ کے پاس چلے جاتا تھا - جس کو راجہ ہیرا سنگھ نے وزیر بنتے ہی قید کیا تھا - اور وہاں جا کر در پردہ راجہ مذکور کی بیخکنی کے منصوبے کرتا تھا - جس میں رانی جنداں اور منگلاں گولی اس کا پورا پورا ہاتھ بٹاتی تہیں - جو زہریلا اثر ان منصوبہ بازوں نے راجہ ہیرا سنگھ کی وزارت کے برخلاف ملک میں پھیلا رکھا تھا - اُس کا نتیجہ یہ نکلا - کہ ایک دن فوج کے چند چیدہ سرداروں نے برملا راجہ صاحب مذکور کے پاس آکر کہا - کہ جلا پنڈت کو فوج کے حوالہ کر دو - اس پر راجہ مذکور نے جلا پنڈت سے دریافت کیا - کہ اب فوج کو کس طرح خوش کیا جائے - جواب یہ ملا - کہ جو شخص راجپوتوں

کی پناہ میں آتا ہے۔ راجپوت لوگ اپنا سر دیتے ہیں۔ لیکن پناہ گیر کو اُس کے دشمن کے حوالہ ہرگز نہیں کرتے۔ میں اس وقت آپکی پناہ میں ہون۔ اگر آپ راجپوت ہونیکا دعوی ترک کرتے ہیں۔ تو مجھکو فوج کے حوالہ کر دیجئے۔ جلا پنڈت کی اس بات نے وہ اثر کیا کہ راجہ ہیرا سنگھ نے ایسی بیمروت اور شرمندگی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی اور جلا پنڈت کو لیکر لاہور سے بھاگ نکلنے کی ٹھہرائی۔

مگر افسوس ہے کہ اُس نے مفرور ہونے میں بھی تاخیر کی۔ اُس کو آنیوالی مصیبت کا مفصل حال پہلے سے ہی معلوم ہو چکا تھا۔ اگر راجہ صاحب خبر پاتے ہی سر شام بھاگ نکلتے۔ تو بچ جاتے۔ لیکن وہ رات کو اسباب جمع کرتے رہے۔ ادہر اُن کے مخالف فوج کو اشتعال دیتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صبح دم فوج میں جمع ہونے کا بگل ہوا۔ بگل کی آواز سنتے ہی راجہ صاحب کے کان بھی کھڑے ہوئے۔ فوراً جلا پنڈت اور میان سوہن سنگھ کو ہمراہ لیکر نیل سوار ہوئے۔ اور ایک جماعت کے سمیت دریائے راوی کے پار چلے گئے۔ یہان تک تو کچھ سکھ سردار بدین آرزو ہمراہ تھے۔ کہ اگر راجہ ہیرا سنگھ جلا پنڈت کو اب بھی فوج کے حوالہ کر دیوے۔ تو اُنکی جان بچائی جائے۔ لیکن جب اُنہون نے دیکھا۔ کہ راجہ صاحب موصوف پنڈت مذکور کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑتے تو وہ سب مایوس ہو کر واپس ہوئے۔ اور راجہ صاحب موصوف کی جماعت جلدی جلدی تا ماگڈہ کے متصل جا پہونچی۔

یہان راجہ صاحب موصوف کی رات بھر کی بیداری رنگ لائی نیند نے زور کیا۔ ذرہ آنکھ لگ گئی۔ مگر آرام کرنا اب کہان نصیب تھا۔ پیچھا کرنے والے سوار بڑے زور و شور سے آرہے تھے۔ اُن کے گھوڑون کے سمون کی آہٹ سے خواب حرام ہو گیا۔ فوراً سوار ہو کر پھر بھاگنے لگے۔ کہ اتنے میں راجہ سوچیت سنگھ کا رسالہ قریب آپہونچا۔ راجہ ہیرا سنگھ کو اُن سے پناہ ملنے

کی اُمید ہوئی۔ اور اُن کی طرف بڑہے۔ مگر جو سلوک راجہ سوچیت سنگھ کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ سب اُن کو یاد تہا۔ بجائے پناہ دہی کے وہ انتقام گیری پر اُتر آئے۔

یہ حال دیکھکر مایوس شدہ جماعت شاہدرہ میں داخل ہوئی۔ یہان فوجی پٹھانون کے ڈیرے تھے۔ وہ بھی پناہ دہی سے منکر ہوئے۔ لاچار اجل رسیدہ جماعت اس سڑک پر چڑہ گئی۔ جو جمون کو جاتی ہے۔

اب جان کا بچاؤ دولت کے لوٹا نیمیں نظر آیا۔ جب سوارون کا کوئی دستہ تعاقب کرتے کرتے نزدیک آجاتا تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ صاحب ایک اشرفیونکا توڑا کہولکر ہاتھی پر سے زمین پر گرا دیتے تھے۔ سوار لوگ جب تک اُسکو لوٹتے رہتے تھے۔ تب تک راجہ صاحب کی سواری ایک دو میل آگے جا نکلتی تھی۔ اور گو جرنیل شام سنگھ اور میوہ سنگھ سوارون کو اشرفیان اوٹھانے سے روکتے تھے۔ لیکن لالچی سوار ایک بھی نہیں سنتے تھے۔ ۱۲۔ کوس تک اسیطرح سفر ہوتا رہا۔ مگر بکرے کی مان کب تک خیر مناتی۔ جلا پنڈت جو درمیان میں ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ آخر کار تھک کر گر پڑا۔ اُس کے گرنے کی دیر تھی۔ کہ پرجوش سوارون نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ جب راجہ ہیرا سنگھ صاحب اور اُن کے ہمراہیون نے دیکھا۔ کہ پیچھا چھٹنا مشکل ہے۔ تو حالت مایوسی میں جرات پیدا ہوئی۔

دشمن کے ہاتھ سے پیٹھ پر زخم کہاکر مرنا داخل بزدلی اور بےشرمی خیال کیا۔ لاچار ایک گانو کے متصل ایک دیوار کے ساتھ دشمن کیطرف مونہہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ تلکچہ زخم لگے۔ آگے سے لگے۔ اور سنگھمہ ہو کر مرینا۔

حملہ آور سوار تعاقب کرتے کرتے بہت نزدیک آپہونچے تھے۔ اُنہون نے جب اُن کو اس طرح سے نزدیک دیکھا۔ تو ایک باڑ جہاڑ دی۔ جس سے سب کا کام یکبارگی تمام ہوا۔ اور وہ راجہ ہیرا سنگھ جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا متبنی تھا۔ اور جس کی

جدائی مہاراجہ نیہال سنگھ کو ایکدم کیواسطے بھی منظور نہیں ہوتی تھی - اس نمکحرام اور احسان فراموش فوج کے ہاتھ سے کہ جس کی طلب میں انہوں نے نمایاں اضافہ ایزادی کی تھی محض اس الزام پر کہ جلاّ پنڈت اُن کے حوالہ کیوں نہیں کیا گیا - اس ذلت اور خواری سے ۲۱ - دسمبر ۱۸۴۳ء کو مارا گیا - اور اُس کا تمام اسباب ہاتھوں ہاتھ لوٹا گیا -

میان سوہن سنگھ کا مارا جانا

۲۱ - دسمبر ۱۸۴۳ء کو جو شخص راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ مارے گئے تھے - اُن میں سے ایک شہید میاں سوہن سنگھ بھی تھا - جو راجہ گلاب سنگھ کا دوسرا لڑکا تھا - وہ راجہ ہیرا سنگھ کے پاس تھوڑے سے عرصہ سے بطور یرغمال کے مقرر تھا اور ضرورت اُس کی یرغمالی کی اس طرح پڑی تھی - کہ جب راجہ سوچیت سنگھ کے مارے جانے کی خبر جموں میں پہونچی - راجہ گلاب سنگھ بہت گھبرایا - اور رنج و افسوس سے یوں گویا ہوا کہ افسوس ہے - کہ اب راجہ ہیرا سنگھ اپنے بزرگوں کو مار مار کر کل ہتھیا بھی کرنے لگا ہے -

راجہ ہیرا سنگھ راجہ گلاب سنگھ سے پہلے سے ہی ناراض تھا - اُس کا خیال تھا - کہ راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیرین اور تمام دولت راجہ گلاب سنگھ نے زبردستی سے دبا رکھی ہیں - اور جب اُس نے سنا - کہ اب راجہ ند کو راُس کو کل ہتھیا کا الزام بھی لگاتا ہے - تو اور بھی رنجیدہ ہو کر فوراً بیس پلٹنیں پیادہ فوج کی معہ ضروری حصہ توپخانہ اور رسالہ کے جموں پر حملہ کرنیکے لیے روانہ کردیں - اور وجوہات لشکر کشی کی حسب ذیل ظاہر کیں -

(۱) کہ راجہ گلاب سنگھ نے کچھ عرصہ سے ملک کا مالیہ ادا نہیں کیا - اسواسطے یہ مالیہ بہ ایزادی سوائی کے وصول کیا جاوے -

(۲) راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیرین اور ملکیت سے وہ بیدخل کیا جائے (۳) راجہ گلاب سنگھ لاہور میں حاضر رہ کر نوکری دیا کرے - لیکن جس آہستگی کے ساتھ لشکر کشی ہوئی - اس سے پایا جاتا ہے - کہ راجہ ہیرا سنگھ اصل میں لڑنا نہیں چاہتا تھا - بلکہ حملہ کی دھمکی دیکر اپنے باپ کی دولت اور چچا کی ملکیت کا حصہ وصول کرنا چاہتا تھا - اُس کی یہ حکمت عملی تو خوب تھی لیکن ہاتھی سے گنّا لینا آسان نہیں ہے - راجہ گلاب سنگھ ان گیدڑ بھبکیوں میں کب آنے والا تھا - ادھر لشکر کشی ہوئی - اور اُدھر راجہ گلاب سنگھ نے بھی جنگ کی تیاری کی - اور مشہور یہ کرادیا - کہ امیر دوست محمد والی کابل اور سردار تیجا سنگھ پشاور کا گورنر اُس کی مدد دینے کو تیار ہے - بلکہ جہلم اور اٹک کے درمیان کا علاقہ بھی اُس کی تحریک پر بغاوت کرنیوالا ہے -

نتیجہ اس شہرت کا یہ نکلا - کہ جب راجہ ہیرا سنگھ معہ فوج کے ستواری میں پہونچا تو بجائے فوج کے وہاں سے راجہ گلاب سنگھ کے پاس جموں میں صرف ایک سفارت بھیجی گئی - جس میں دیوان دینا ناتھ - بھائی رام سنگھ - اور شیخ امام دین شامل تھے -

راجہ صاحب موصوف اس سفارت کے ساتھ عمدگی سے پیش آئے اور سفارت کے ذہن نشین یہ بات کرائی - کہ راجہ ہیرا سنگھ کا چھوٹا بھائی میرے پاس آکر مجھکو جو کہیگا - میں اُس کا کہنا مان لونگا - اس فیصلے کے مطابق سفارت واپس ہوئی - اور میاں جواہر سنگھ جموں میں بھیجے گئے - جس سے راجہ گلاب سنگھ صاحب کمال محبت سے بغل گیر ہو کر بولے کہ راجہ دھیان سنگھ کا دستور تھا کہ ہر روز صبحدم پہلے میرے پاس آتا تھا - اور پھر پیچھے سے دربار کو جاتا تھا میری بدنصیبی سے وہ مارا گیا - اور اب تم بجائے راجہ دھیان سنگھ کے ہو - مجھکو اُمید ہے - کہ راجہ ہیرا سنگھ تمہارا کہنا ضرور مانیگا - پہلے اُس نے راجہ سوچیت سنگھ کو مارا - اور اب اُس نے مجھ پر لشکر کشی کی ہے - معلوم نہیں کہ اپنے بزرگوں کی خونریزی کرکے وہ کیوں ناحق بدنام ہوتا ہے - اور کل ہتھیا

کا باپ اپنی گردن پر بار بار کیوں چڑھاتا ہے - اگر اُس کو ملک کی ضرورت ہے
تو مجھکو اس میں بھی کوئی عذر نہیں ہے - لیکن میرا اور اُس کا جنگ کرنا
کسیطرح مناسب نہیں -

راجہ صاحب مذکور کی اس تقریر نے میان جواہر سنگھ کے دل پر ایسا اثر کیا - کہ وہ
فوراً استواری میں اپنے بھائی کے پاس واپس گیا - اور نہایت عاجزی سے
سمجھایا - کہ ایک چچا مارا گیا - اُس کی بدنامی ابھی دور نہیں ہوئی -
اب آپ نے دوسرے چچا پر لشکر کشی کر دی ہے - باہمی خونریزی سے ایک تو اپنا
خاندان ہی کمزور ہوتا ہے - دوئم کل ہتھیا ہوتی ہے - جو چھتریوں کے دھرم کے
برخلاف ہے - میان جواہر سنگھ کی اس عرض و معروض کا جسمیں دیوان دینا ناتھ
نے بھی بہت مدد دی - نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ ہیرا سنگھ نے فوج کو واپسی کا حکم دیا -
لیکن آئندہ اطمینان کیواسطے قرار یہ پایا - کہ میان سوہن سنگھ لاہور میں
راجہ گلاب سنگھ کیطرف سے بطور یرغمال کے رہے - اور راجہ ہیرا سنگھ کے
طرف سے جموں میں میان جواہر سنگھ رہے - چنانچہ ایسا ہی ہوا -

جب راجہ ہیرا سنگھ جلا پنڈت کو ساتھ لیکر لاہور سے بھاگا - میان سوہن سنگھ
بھی اُس کے ساتھ تھا - راجہ گلاب سنگھ کو لاہور دربار کی ہر ایک بات کی
خبر ایک ایک منٹ میں پہونچا کرتی تھی - جب اُس نے سنا کہ فوج ہیرا سنگھ
سے بگڑ گئی ہے - تو اُس نے لاہور میں دیوان نہال چند کو بھیجا - اور
اُس کے ذریعہ راجہ ہیرا سنگھ کو یہ پیغام پہونچایا - کہ فوج کو ناراض رکھنا
عقلمندی میں داخل نہیں ہے -
فایدہ اسی میں ہے کہ جلا پنڈت کو فوج کے حوالہ کر دو - لیکن جب راجہ ہیرا سنگھ
نے اس مشورہ کو نہ مانا - تو دیوان نہال چند نے لاچار ہو کر میان سوہن سنگھ
سے الگ ملاقات کی - اور اُس کو سمجھایا - کہ فوج کے ہاتھ سے راجہ ہیرا سنگھ
کا بچنا مشکل ہے - ایسی جلتی آگ میں آپکا یہان رہنا سخت خطرناک ہے

اور مہاراجہ صاحب کا حکم ہے - کہ آپ جموں کو چلے آویں لیکن میان سوہن سنگھ
نے اس بات کو منظور نہیں کیا - اور کہا کہ جس شخص کے ساتھ کھانا پینا اور
نشست و برخاست اکٹھی تھی - اُس کو اس مصیبت کے وقت میں اسطرح
تنہا چھوڑ کر آپ جان بچا کر نکل بھاگنا انسانیت میں داخل نہیں ہے - یہ سنکر
دیوان نہال چند لاچار واپس لوٹا - اور میان سوہن سنگھ شہید ہونے کے خیال سے آخیر
دم تک راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ رہا چنانچہ جب راجہ ہیرا سنگھ مارا گیا - تب وہ بھی مارا گیا -

سردار جواہر سنگھ کی وزارت اور ہلاکت اور پرچھوں کی بدمستیاں اور دہشت

راجہ ہیرا سنگھ کے مارے جانے کے بعد رانی جندان نے مدار المہامی کی
استروں کی مالا اپنے بھائی سردار جواہر سنگھ کے گلے میں ڈال دی - لیکن سردار جواہر سنگھ
نے جس ذلالت کے ساتھ راجہ ہیرا سنگھ کو فوج کے ہاتھ سے قتل کرایا تھا -
آخر کار وہ بھی اسی ذلالت سے ۲۱ - ستمبر ۱۸۴۵ء کو اوسی فوج کے ہاتھ مارا گیا -
اور باعث اُس کے مارے جانیکا یہ ہوا کہ اُس کی وزارت میں خالصہ سلطنت
کی مہاراجگی کا دعویدار پشاورا سنگھ ہوا - جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا نام نہاد بیٹا
کہلاتا تھا - اور گوجرانوالہ کا جاگیردار تھا -
پشاورا سنگھ نے دو دفعہ حکومت کا دعویٰ کیا - ایک دفعہ جب وہ دعویدار ہو کر
لاہور میں پہونچا - تو رانی جندان نے اُس کے ساتھ بہت اچھا آؤ بھگت کیا -
جسے کہ دربار میں بھی اُس کو مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ مساوی درجہ پر بٹھایا مگر
جواہر سنگھ کو یہ بات نا مرغوب ہوئی - جب پشاورا سنگھ حسب مشورہ
اپنے دوستوں کے پُرہو کے آ دبے پر جنرل ابوطویلہ کے مکان میں جا
اترا - اور فوج نے اس کو سلامی دیکر اُس کی مددگاری پر کمر باندھی فوج
کی اس حرکت سے سردار جواہر سنگھ اس قدر خوف زدہ ہوا - کہ اپنی
ہمشیرہ کے مشورہ سے اُس نے فی سپاہی صـ ۵ کا گنٹھہ دینے کا وعدہ

کیا۔ جس پر تخت پر بٹھانے والی اور تخت سے اُتارنے والی فوج نے
اُس سے خوش ہو کر پشاورا سنگھ کو لاہور سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔
دوسری دفعہ پشاورا سنگھ جو کہ دراصل ایک نالایق شہزادہ تھا اٹک کو چلا گیا۔
یہاں وہ گرد و نواح کے مسلمان سرداروں کی امداد سے قلعہ اٹک پر قابض
ہو گیا۔ اور پنجاب کا مہاراجہ بن کر دوست محمد خان امیر کابل کے ساتھ
خط و کتابت کرنے لگا۔

وزیر جواہر سنگھ نے یہ خبر سن کر اُس کی سرکوبی کے لیے لاہور سے کچھ فوج
بھیجی۔ جس نے وہاں جا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فرضی لڑکے کے ساتھ
مقابلہ کرنا داخل نمک حرامی تصور کیا۔ اور اوس کے ساتھ جنگ کرنے سے
انکار کر دیا۔ اب اوس کے دماغ کا کیڑا نکالنے کے لیے سردار چتر سنگھ
اٹاری والہ جو کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کا سسر تھا۔ اور فتح خان ٹوانہ جو ڈیرہ
اسماعیل خان کا سردار تھا مقرر ہوئے۔

ان دونوں سرداروں نے اٹک میں داخل ہو کر جب جنگجوئی میں مطلب برآری
نہ دیکھی۔ تو نامہ پیغام سے کام لیا۔ اور اُس کی جاگیر میں ایک لاکھ روپیہ
کا اضافہ کر کے اوس کو یقین دلایا۔ کہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا
تسلیم ہوگا۔ اور اوس کو اجازت دی جائیگی۔ کہ لاہور میں شاہی اعزاز
اور شان و شوکت کے ساتھ آمد و رفت کیا کرے۔ سرداران مذکور کی
شیریں زبانی اور مکاری سے سادہ لوح شہزادہ اسقدر جھانسے میں آیا۔
کہ ۳۰ ماہ اگست کو قلعہ خالی کر کے اُن کے پاس چلا آیا۔ اور انہوں
نے اُس کو برخلاف اپنے وعدوں کے فوراً کالا برج میں قید کر کے
بوقت شب اُس کا گلا گھونٹ کر اوس کی لاش کو دریائے سندھ میں پھینک دیا۔
سردار جواہر سنگھ نے اس مژدہ کو سنکر جو دراصل اُس کی موت اور بربادی
کا پیغام تھا۔ بہت خوشی کی۔ توپوں کی سلامی اور چراغانہ کی روشنی سے

کل لاہور کے کان کھڑے کر دیے۔
مگر جب فوج کو معلوم ہوا۔ کہ پشاورا سنگھ کو وزیر مذکور نے دغابازی سے مروا ڈالا ہے
تو فوجی برچھوں کی نمک حلالی کے خون نے اُن کی رگوں میں جوش مارا۔ اور وہ اُسکے
خون کے پیاسے ہو گئے۔ اور اُس رہی سہی ڈوگرہ جماعت نے جو ہنوز لاہور
میں موجود تھی۔ اور جس کا سرغنہ میاں پرتھی سنگھ ولد میاں لربیل سنگھ تھا۔
جب دیکھا کہ ڈوگرہ قوم کے دشمن سردار جواہر سنگھ کو نیست و نابود کرنیکا وقت
آ گیا ہے۔ تو انہوں نے بھی اپنے فوجی بھائیوں کو لون مرچ لگا کر خوب اشتعال
دلایا۔ اور اُس کی مخالفت کی آگ اس حد تک بھڑکائی۔ کہ بجز دو باڈی گارڈ
پلٹنوں کے جو خاص جواہر سنگھ کی تھیں۔ کل فوج نے اتفاق کر لیا۔ جس پر فوجی
پنچوں نے ادھر تو کچھ فوج بھیجکر جواہر سنگھ کی طلبی کی۔ اور ادھر قلعہ کا بھی محاصرہ
کر لیا۔

وزیر مذکور مایوسی کی حالت میں جب فوج میں حاضر ہونے پر تیار ہوا۔ تو رانی جنداں
نے بھی اُس کی ہمراہی پر کمر باندھی اور اس طرح وزیر کی سواری کا ایک بڑا بھاری
جلوس بن گیا۔ رانی جنداں معہ اپنی تمام گولیوں کے فیل سوار ہوئی۔ کچھ
کنیزیں خاص اُس کے ہاتھی پر اور پس ماندہ اور ہاتھیوں پر سوار کرائی گئیں چند
ہاتھیوں پر روپیوں اور اشرفیوں کے توڑے لادے گئے۔
باوا نراین سنگھ اور بھائی چٹو جو سکھوں کے پیشوا تھے۔ وہ بھی رفاقت کا دم
بھرنے کو ساتھ ہو گئے۔ جواہر سنگھ خود جس ہاتھی پر بیٹھا۔ اُس نے مہاراجہ دلیپ سنگھ
کو بھی اُسی ہاتھی پر اپنی گود میں بٹھا لیا۔
ایک ہزار حمایتی فوج نے بھی ساتھ دیا۔ اور ۲۱ ستمبر کو وزیر مذکور اس تمام جلوس کے
ساتھ فوج میں گورو کا نام لیکر حاضر ہو گیا۔ جہاں رانی اور وزیر نے فوج سے
معافی مانگی۔ وادو دہش سے بھی کام لینا چاہا۔ مگر فوجی برچھوں نے جواہر سنگھ
کے ہاتھی کو گھیر کر دلیپ سنگھ کو اس سے جبراً چھین لیا۔ جس پر جواہر سنگھ نے

ہاتھ جوڑ کے بہت عاجزی کی - اور کہا کہ پہلے میری ایک بات سُن لو تو پھر جو چاہو سو کرو - کہ اتنے میں کسی شخص نے بائیں طرف سے ایک ضرب کی رسید کی - دوسری طرف سے کسی نے سر میں گولی ماری - جس کے لگنے سے وزیر ہاتھی کے ہودے سے زمین پر گر پڑا - باوا رائین سنگھ اور بھائی ... بھی مارے گئے - جو دولت داد و دہش کیواسطے ہمراہ لائی گئی تھی - وہ لوٹی گئی اور وزیر کی لاش گھسیٹی گئی -

رانی کیواسطے پنچون نے پہلے سے ہی خیمے لگا رکھے تھے - وہ مع اپنی خواصون کے ان خیمون میں رکھی گئی - اور دلیپ سنگھ فوج میں سکونت پذیر کیا گیا - رانی رات بھر پیٹتی رہی - صبحدم اُس کو لاش بھی دکھائی گئی جس کو دیکھکر اُس نے سخت سیاپا کیا - دو دفعہ خود بھی لاش پر گر پڑی - اور دلیپ سنگھ کو بھی لاش پر پھینکا - دوپہر تک اُس نے لاش کو اپنے سے جدا نہونے دیا - آخر کار کچھ زور سے اور کچھ زاری سے کام لیا گیا - اور وہ لاش بصد مشکل جدا کی گئی - جس کے بعد لاش مذکور بموجودگی سردارون مستی دروازہ کے باہر پھونکی گئی - اور مقتول کی عورتین بھی اُس کے ساتھ ستی ہوئیں - مگر فوجی برچھون کے اخلاق اب ایسے بگڑ گئے تھے - کہ ستیون کا بھی ادب نہیں کیا - ستی ہونے والی سردارنیان جسقدر زیورات اور پارچات دان کرنیکیواسطے اپنے ساتھ لائی تھیں - ان شیطان صورت اور حیوان سیرت نامرد برچھون نے صرف اُن کے لوٹنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ جھپٹ جھپٹ کر اُن کی کانون کی بالیان اور ناکون کی نتھنیان بھی اتار لین - حتے کہ جب وہ اپنی جان کا خاتمہ کرنیکیواسطے چتا پر سوار ہوئیں - ان وحشیون نے اُسی وقت اُن کے قیمتی پارچون کی زری اور گوٹہ کے لالچ سے جھپٹ مار مار کر ان بیچاریون کے دامن بھی پھاڑ ڈالے -

بیکس ستیون کے ساتھ جب اس قدر ظلم ہوا - اور کوئی شخص انکو وحشی برچھیون

کی ان دست درازیون سے نہ بچا سکا - تو لاچار ستیون نے جلنے سے پیشتر اپنے ہاتھ آسمان کیطرف بلند کر کے یہ دعا مانگی - کہ ہے پرم آتما تو کل سکھ قوم کا بیڑا غرق کر - اور آخر کار ایسا ہی ہوا -

جب لاش جل گئی تو رانی بھی قلعہ میں داخل ہوئی - مگر بھائیون کے قاتلون کی تلاش میں سخت سرگرم رہی - اور دستور یہ پکڑا کہ روزمرہ اپنی خواصون کو ہمراہ لیکر شہر میں سے گریہ وزاری کرتے ہوئے بھائی کی سمادہ پر جایا کرتی تھی - چند ہفتون تک اس کا لگاتار یہی معمول رہا - جس پر فوج کے پنچون نے یا یون کہو کہ وحشی برچھون نے اُس کو خوش کرنیکیواسطے بہت عذر خواہیان کیں - اور آخر کار جواہر مل ڈوگرہ کو جو کہ راجہ سوچیت سنگھ کا دیوان تھا - قاتل قرار دیکر اُس کے حوالہ کیا - اور میان پرتھی سنگھ وغیرہ دیگر ڈوگرون کا بھی جنہون نے کہ فوج میں روپیہ تقسیم کیا تھا - سازشیون کی فہرست میں نام ظاہر کیا - جس پر تمام ڈوگرے پنجاب سے نکالے گئے -

اب رانی نے ایک کونسل بنائی جس کے ممبر دیوان دینا ناتھ - بھائی رام سنگھ اور راجہ لعل سنگھ قرار دئے گئے - گو رانی دلیپ سنگھ کے نام سے اس کونسل کے مشورے سے ملک کی حکومت خود کرتی تھی - لیکن اصلی طاقت اور حکومت فوجی برچھون اور اُن کے پنچون کے ہاتھ میں تھی - یہ سب وزارت کا عہدہ راجہ گلاب سنگھ کو دینا چاہتے تھے - جو واقعی طور پر عمدہ انتخاب تھا - لیکن اُس نے وزیر بننے سے انکار کیا -

کچھ دنون کے بعد رانی نے سردار لعل سنگھ کو وزیر بنانا چاہا - لیکن فوج نے رانی کے اس انتخاب کو اس واسطے ناپسند کیا - کہ وہ عام طور پر اس کا آشنا خیال کیا جاتا تھا - اور اس پر وزارت کا عہدہ سردار تیجا سنگھ کی نذر کیا گیا جو جمعدار خوشحال سنگھ کا بھتیجا اور پشاور کا صوبہ تھا - مگر اُس نے بھی انکار کر دیا *

نوٹ - جو روپیہ ڈوگرون نے وزیر جواہر سنگھ کے برخلاف تقسیم کیا تھا وہ ... سردار لال سنگھ نے ...

آخر کار راجہ گلاب سنگھ - راجہ لعل سنگھ اور سردار تیجا سنگھ وزارت کے اُمیدوار قرار دئے گئے - اور تجویز یہ ٹھہری - کہ ان تینتیون کے نام کی چٹھیان مہاراجہ دلیپ سنگھ کے آگے رکھ دی جاوین اور جس کے نام کی چٹھی کو وہ اُٹھا لیوے - وہی وزیر قرار دیا جاوے -

اس تجویز کو فوج نے بھی قبول کیا - اور سب کی موجودگی میں اس پر عمل درآمد ہوا لیکن ملک کی بدنصیبی سے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے وہی چٹھی اُٹھائی جسپر لال سنگھ کا نام لکھا ہوا تھا - اب سردار لال سنگھ وزیر اعظم اور سردار تیجا سنگھ فوج کا سپہ سالار بنا - مگر فوج اس انتظام سے دراصل شاکی رہی - اس لئے کچھ عرصہ کے بعد انہون نے پھر سرکشی ظاہر کرنی شروع کی حتیٰ کہ مہاراجہ شیر سنگھ کے بیٹے کو بادشاہ بنانا چاہا - اب رانی نہ اُن کا مقابلہ کر سکتی تھی - اور نہ اُن کو رشوت دیکر اپنا طرفدار بنا سکتی تھی - کیونکہ خزانے خالی تھے - اور اُس کا چال وچلن اچھا نہیں خیال کیا جاتا تھا اس واسطے اُس نے اپنے سردارون اور وزیرون کے مشورے سے فوج مذکور کو ترغیب دی - کہ حدود انگریزی میں داخل ہوکر ہندوستان کو فتح کرے - یہ وہ تجویز تھی - کہ جس نے آخر کار سکھون کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا اور کبھی برچھون کا نشہ بھی کر کرا ہوا -

کوتاہ اندیش اور نمکحرام اہلکارون کی اولاد بھی اس سرداری کے درجے سے جس پر اُن کو شیر پنجاب نے پہونچایا تھا گر گئی - اور اس مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد بھی کہ جس نے پنجاب کے چھوٹے چھوٹے سردارون کو ایک عظیم الشان سلطنت کے ماتحت کر کے پنجاب کو مسلمہ طاقت بنا دیا تھا - ایسی ذلیل ہوئی - کہ اُس کا نام و نشان ہی نہ رہا -

خالصہ فوج کا حدود انگریزی میں داخل ہونا

یہہ معلوم نہیں ہوتا کہ رانی جندان اور اُس کے اہلکارون نے خالصہ فوج

کو حدود انگریزی میں داخل ہونیکا کیون حکم دیا - بعضون کے نزدیک یہ حملہ کا مشورہ اس مجبوری سے دیا گیا تھا - کہ بخیال اُن کے سرکار انگریزی کسی قسم کی مداخلت یا دراز دستی کرنے لگی تھی کیونکہ رانی جندان کے پاس متواتر رپورٹین آتی تھیں - کہ حکام انگریزی نے ستلج کے پار کا بیشمار علاقہ دبا لیا ہے - اور حملہ کرنے کیواسطے بھی لشکر جمع ہو رہی ہے - اکثر مورخون کا یہ خیال ہے - کہ بیرونی خطرہ کوئی بھی نہیں تھا - یہ تجویز صرف سرزور اور مونہہ زور خالصہ فوج کا سر کچلنے کیواسطے کی گئی تھی - تا کہ وہ پہاڑ کے ساتھ ٹکر لگا کر سر پھوڑ مرے -

بعضی باریک بین نگاہون کا یہ خیال ہے - کہ خالصہ سلطنت کی مسلسل خانہ جنگیون اور خونریزیون سے انگریزی پولٹیکل افسرون کو پولٹیکل فائدہ اُٹھانیکی سوجھی - اس واسطے اُنہون نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ سرحدی بیوقوف سکھ حکام نے یا تو جہالت سے یا نمک حرامی سے سچی جھوٹی رپورٹین حکام انگریزی کے برخلاف بھیجکر دربار لاہور کو انگریزون سے بدظن کرا دیا -

اسی قسم کی اور بھی بہت سی وجوہات اس حملے کی تائید اور تردید میں ظاہر کیجاتی ہیں - لیکن اصلی وجہ کوئی بھی معلوم نہیں ہوتی - میرے نزدیک نہ تو سرکار انگریزی نے کوئی علاقہ دبایا ہوگا اور نہ کسی پولٹیکل افسر نے کوئی سازش کی ہوگی قرین قیاس یہ وجوہات ہیں کہ خالصہ فوج کی بددماغی اور بدمستی دیکھکر ضرور ہے کہ سرکار انگریزی نے تو اپنی سرحدی چوکیون پر اس واسطے فوج زیادہ کی ہو - کہ خالصہ لوگ انگریزی علاقہ میں بھی بدامنی پھیلانے کی جرات نہ کر سکین - جیسا کہ اُنکی بدحوصلگیون سے پایا جاتا تھا -

لیکن بد لوگون نے انگریزی فوجی فراہمی اور نقل و حرکت کو کسی اور نظر سے دیکھکر دربار لاہور میں خواہ مخواہ کی بدظنی پھیلائی ہوگی وجہ جس سے حواس باختہ اور بدنصیب رانی جندان نے انگریزی فوج کی اس احتیاط کو حملہ کی تیاری خیال کر کے بیوقوف اہلکارون کے مشورہ سے ادہر تو اپنا بچاؤ اسی میں سمجھا ہو کہ ادہر سے ہی حملہ کر دیا جاوے

اور اُدھر بھی خیال کیا ہو۔ کہ خالصہ فوج سے محفوظ رہنے کی ترکیب یہی ہے کہ
اُس کو انگریزون کے ساتھ لڑا مارا جائے۔

اگر ان وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی درست ہے۔ یا بفرض محال اگر یہ بھی مان لیا جاوے
کہ اس قسم کا حکم صادر کرنے کے لئے کوئی بیرونی سازش بھی۔ یا واقعی طور پر خالصہ
دربار کو کوئی بیرونی خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ جیسا کہ یقین دلایا جاتا ہے۔ تو پھر یہ بھی مان
لینا پڑتا ہے۔ کہ جن بھولے بھالے اہلکارون نے فوج کو رانی جندان سے ایسا
حکم دلوایا۔ اگر وہ نمکحرام نہیں تھے۔ تو کم از کم شیخ چلی کیطرح کج فہم تو ضرور تھے۔
اور اگر اپنے ملک اور مالک کے دشمن بھی نہیں تھے۔ تو اُن کے دوست نادان
ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جس شخص کی عقل نہایت موٹی ہو۔ اُس کو
بھی صاف طور پر یہ نظر آسکتا تھا۔ کہ ایسا گھر پھونک دینے والا حکم دینے سے صرف چند سپاہی
ہی کمزور نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ جو قیمتی سامان جنگ اُن کے پاس تھا۔ اس سے
بھی انکو ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ اور جو قیمتی آلات جنگ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے
اپنی تمام عمر میں جمع کئے تھے۔ وہ بھی دریا میں پھینکنے پڑتے تھے۔ اور علاوہ ازین
بیوقوفون کو بھی نظر آرہا تھا۔ کہ دریائے ستلج کے پار ایک شیر ببر کھڑا تھا۔ جو حضرت
شکار کھیلنے کا ہی عادی نہیں۔ بلکہ بدست شکار کو اس واسطے بھی پہاڑ ڈالتا تھا
کہ مبادا وہ کسی وقت کوئی نقصان پھونچا سکے اور یہ شیر مدت سے دم ہلا ہلا کر
اور بھبکیان دے دے کر اس بات کا خواہشمند تھا۔ کہ کاش کوئی ایسی صورت
پیدا ہو کہ وہ اس دریائے عمیق کو کود پھاند کر بلا کسی روک ٹوک کے لاہور میں
داخل ہو سکے۔ تاکہ وہان کی بھیڑ اور بکریون کو اپنا لقمہ بنانے میں کامیاب ہو۔
پھر یہ بھی آفتاب کیطرح نظر آرہا تھا۔ کہ ایسی حالت میں اگر سکھون کی فوج اس
گرجنے والے شیر کے سرہانے پر جا کر نقارے بجائیگی۔ تو شیر مذکور خشم آلودہ ہو کر
صرف اُن کے سر کو ہی نہیں آدبوچیگا۔ بلکہ اُن کی لاانتہا لاشون کو دریا میں پھینک
کر اُن پہ جستیں لگاتا ہوا لاہور میں بجلی کیطرح آ پھونچیگا۔ اور وہان جس دستہ کو

اپنی خوراک کے لایق سمجھیگا۔ اُس کو کمال آزادی کے ساتھ چیر پھاڑ کر اُس کے
شیرین خون سے اپنا حلقوم تر کریگا۔

بہرحال یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ سکھون کی فوج انگریزون کے ساتھ کس نیت سے لڑائی
گئی۔ لیکن یہ ایک واقعی امر ہے۔ کہ ایسا حکم دو دفعہ دیا گیا۔
پہلا حکم معرض التوا میں اس واسطے پڑا۔ کہ سامان جنگ بہم نہ پھونچ سکا۔ اور رانی جندان
اسی تشویش میں پہلے امرتسر کو گئی پھر وہان سے باغ شالامار میں پھونچی۔ جہان
اُس کے وزیرون نے پہلے تو یہ مشہور کیا۔ کہ انگریز لوگ دریائے ستلج کو عبور کر کے
خالصہ عملداری کی حدود میں داخل ہو کر پنجاب کی رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ بلکہ
اس بیان کی تائید میں اُنہون نے تحریری دستاویزیں بھی پیش کیں۔
پھر ماہ نومبر میں ایک عام دربار لگایا گیا۔ جس میں بموجودگی منجملہ سرداران اور فوجی
پنچون کے دیوان دینا ناتھ نے ایک چٹھی پیش کی۔ اور کہا کہ چٹھی ایک سکھ کاردار
نے حدود ستلج سے بھیجی ہے۔ اور اسمیں لکھا ہے کہ انگریز لوگ ستلج کے اسطرف
آکر رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ اور لوگون کو سخت تکلیف دیتے ہیں۔ اس چٹھی
کے سنانے کے بعد یہ بھی واضح کیا گیا تہا کہ کشمیر اور پشاور ہمارے ہاتھون سے
نکلتا جاتا ہے۔ اور اُن دونون علاقون سے اب ایک کوڑی بھی خزانہ سلطنت
میں داخل نہیں ہوتی ہے۔
اس کے بعد ایک روز مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادہ پر ایک اور اجلاس کیا گیا۔
جس میں سردار لعل سنگھ وزیر اعظم اور سردار تیج سنگھ سپہ سالار فوج قرار پایا۔
یہ دونون سردار کسی طرح سے بھی ان جلیل القدر عہدون کے لایق تھے یہان
فوجی پنچون نے قسمین کہائین۔ کہ وہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کی نمک حلالی اور جدید
وزیر اعظم اور سپہ سالار فوج کی فرمانبرداری کرینگے۔
اس اجلاس میں پھر شکایت کی گئی۔ کہ انگریز ستلج کے اس طرف اُتر آئے ہیں۔ اور
رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ اپنی حدود میں مورچہ بندیان کر رہے ہیں۔ راجہ

گلا دیدہ و دانستہ کٹوا رہے تھے۔

سردار لعل سنگھ جس کو اپنی کرتوت معلوم تھی۔ اول تو ہر ایک منزل میں اپنی فوج سے اس خوف سے الگ رہتا تھا۔ کہ مبادا اُس کی فوج جو اُس کو سخت نفرت سے دیکھتی تھی۔ اوس کو نشانہ بندوق نہ بنا دیوے۔ دوئم جب حملہ کرنیکا وقت ہوتا تھا۔ اوسوقت فوج کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیتا تھا۔ اور جب پیچھے ہٹ جانا چاہتی تھا۔ تب آگے کو لیجا کر خود مفرور ہو جاتا تھا۔

مدکی کے جنگ میں جب سردار لعل سنگھ نے دیکھا۔ کہ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ اور دونوں فوجیں خوب تندہی سے لڑ رہی ہیں۔ تو اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کی جگہ وہ خود مفرور ہو گیا۔ لیکن سکھوں نے اُس کی دغابازی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور بے سردار فوج خوب لڑتی رہی۔

اسیطرح ۲۲ دسمبر کے جنگ میں جب رات کی لڑائی میں انگریزی فوج کے انتظام کا تمام سلسلہ بگڑ گیا۔ تو سکھوں کی فوج کیطرف سے قرار یہ پایا تھا۔ کہ جو خالصہ فوج جنگ میں مصروف ہے۔ وہ صبح دم اپنا جنگ چھیڑ دیوے۔ اور دوران جنگ میں سردار تیج سنگھ اپنی پانچ ہزار پیادہ فوج اور ۰۰ توپوں کے ساتھ جو اسی روز پہونچی تھی اور تازہ دم تھی۔ انگریزی فوج پر حملہ کر دیوے۔ اگر اس تجویز کی تکمیل سردار تیج سنگھ دیانتداری سے کرتا تو رات کی بھوکی پیاسی اور گھبرائی ہوئی انگریزی فوج کا اُسدن شکست پا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ لیکن سردار تیج سنگھ نے بھی سردار لال سنگھ کی طرح دغابازی کی۔ جب فوج کو مدد کی ضرورت تھی۔ اُس وقت سردار مذکور چپ ہو رہا۔ اور جب لڑنے والی خالصہ فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ تو اوس کے بعد اپنی پانچ ہزار فوج کو بھی نشانہ بندوق بنانیکے واسطے آگے کو بڑھا۔ اور اُس کے بعد جب دیکھا کہ شکست یافتہ خالصہ فوج میں بھاگڑ پڑ گئی ہے۔ اور ستلج کو عبور کرنا چاہتی ہے تو خود دریا کے پار ہو کر کشتیوں کا پل کٹوا ڈالا۔

ان سرداروں کی اس قسم کی حرکات سے یہ مبالغہ میں داخل نہیں ہے اگر

سوچیت سنگھ کا ۱۶۔ لاکھ روپیہ جو خزانہ فیروزپور میں تھا۔ اُس کے دینے سے انکاری ہیں۔ اور خالصہ فوج کو سوائے ادا کرنے محصول کے ستلج کے جنوب میں پروانہ راہداری دینے سے انکاری ہیں۔ سندھ میں انگریزی فوج ملتان پر حملہ کرنیکے لئے آراستہ ہو رہی ہے۔ اور ستلج پر پل بنانے کے واسطے بمبئی میں کشتیاں تیار ہو رہی ہیں۔

اس قسم کی جوش پیدا کرنے والی وجوہات کے بعد گرمچہ شاہ تقسیم ہوا۔ اور ۱۱ دسمبر ۱۸۴۵ء کو پچاس ہزار خالصہ فوج معہ ۱۰۰ توپوں کے ہری کے پتن سے پار ہو کر سرکار انگریزی کو مغلوب اور متھرا دہلی اور بنارس کی لوٹ سے اپنے ہاتھ رنگنے کے خیال سے فیروزپور کی طرف بڑھی۔

اس وقت ہندوستان کے گورنر جنرل سر ہنری ہارڈنج اور سپہ سالار فوج سر ہیو گف صاحب تھے۔ اب جنگ شروع ہو گیا۔ خالصہ فوج کی کمان افسر سردار لال سنگھ تھے۔

اور انگریزی فوج کی رہبری ایک طرف سے سر ہیو گف اور دوسری طرف سے خود گورنر جنرل کر رہے تھے۔

دونوں فوجوں میں پانچ جنگ ہوئے۔ پہلا جنگ مدکی کے نزدیک۔ دوسرا جنگ فیروز شہر کے نزدیک۔ تیسرا جنگ بدووال میں۔ چوتھا جنگ علیوال میں اور پانچواں جنگ سبراؤں میں۔

ان جنگوں میں انگریزی فوج کے افسروں نے قوم اور ملک کی عزت اور ناموری کو قائم رکھنے کیواسطے اپنے فرض منصبی کو بڑے بہادروں کیطرح نہایت جانبازی اور جانفشانی سے ادا کر کے خوب داد شجاعت دی۔ لیکن سردار لال سنگھ اور تیج سنگھ کی بات بجائے مکاری و دغابازی۔ نمک حرامی اور بزدلی [illegible] تھی اور دونوں سرداروں کی حرکتوں سے یہ صاف طور سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی فوج کو خود جنگ میں مقابلہ کے لئے نہیں لیجا رہے تھے۔ بلکہ دشمن سے [illegible]

اُنھون نے بجائے باروت کے اپنی لڑنے والی فوج میں نگی ہوئی - سرحون تقسیم کی ہو - جیساکہ ان کے برخلاف عام طور پر کہا جاتا ہے - باوجود ان سرداروں کی اس قسم کی دغا بازیوں اور بزدلیوں کے انگریزی مورخون نے تسلیم کیا ہے - کہ سرداروں سکھون کی فوج خوب لڑی - اور انگریزی فوج کا ان جنگون میں جسقدر نقصان ہوا ہے اس قدر نقصان اس سے پہلے ہندستان کے اور کسی جنگ میں نہیں ہوا تھا - بلکہ چند افسر ایسے مارے گئے - جو نہایت نامی گرامی تھے - سکھون کی بہادری کی اگرچہ عموماً تعریف کی جاتی ہے - لیکن سردار شام سنگھ اٹاری والے کے بہادرانہ کارنامے آج تک مشہور ہیں - اس پیر مرد بے سکھ نے پہلے تو سکھون کو سمجھایا کہ انگریزون کے ساتھ جنگ کرنا مناسب نہیں ہے اور جب جنگ جاری ہو گیا تو اوس نے اپنی سفید داڑھی کھولدی - اور بدن پر ایک سفید چادر لپیٹ کر شہید ہونیکے واسطے آگے کو بڑھا - قدم قدم پر گورو کی بانی پڑھکر اپنے سکھ بھائیون کا خوب حوصلہ بڑھاتا تھا - اور کہتا تھا کہ گورو مہاراج اپنی بانی میں فرما گئے ہیں کہ سورما آدمی دائمی سوکھ کو پراپت ہوتا ہے - وہ ایک سچا بہادر آدمی تھا - اور ایک سچے بہادر آدمی کیطرح ملک اور قوم کیخاطر شہید ہوا - یوجہ جس کے اُس کا نام ہر جگہ عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے -

اسی طرح سے مسی ہربایا ایک فرنگی باشندہ ہسپانیہ نے جو کہ سکھون کا ملازم تھا - جو جنگی مورچہ بندیان اور تیاریان سکھون کو کردی تھیں - اُن کی عظمت کی بہت تعریف کی جاتی ہے - بہرحال سکھون کی اُس فوج کو جس نے لوٹ مار کے خیال سے انگریزی علاقہ پر حملہ کیا تھا - ۱۱ فروری ۱۸۴۶ء کو کامل شکست ہوئی - ان تمام جنگون میں کہا جاتا ہے - کہ سکھون کے ۲۰ ہزار آدمی مارے گئے - اور انگریزی فوج کے نقصان کی تعداد دو ہزار مقتول اور پانچ ہزار زخمی تھی - لیکن تاریخ جنگ ظاہر کرتے ہیں - انگریزی فوج کا اندازہ لگانے میں کسی قسم کی غلطی ہوئی ہے - اور اغلباً اُن کی تعداد بہت زیادہ بتائی گئی ہے -

مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے مخالف

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد لاہور مسلسل طور پر سازشون خونریزیوں اور منصوبہ بازیون کا مرکز بن گیا تھا - ہر ایک آدمی ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی بھڑائی میں مصروف تھا - جو شخص اپنے گھر سے نکلتا تھا - واپسی کی اُس کو کوئی اُمید نہیں ہوتی تھی - کسان مسلح ہونے کے بغیر ہل نہیں جوت سکتا تھا - اور یہی کیفیت گڈریہ کی تھی - جو اپنی بھیڑون کی حفاظت جان کو جوکھون میں ڈالے بغیر نہیں کر سکتا تھا -

بدعملی اور بدنظمی کا زور ہو گیا تھا - اور خالصہ حکومت بالکل کمزور ہو چکی تھی - جس سے ہر ایک مرد و بشر کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے ہوئے تھے - اندھیر مچا ہوا تھا - اور جا بجا لوٹ مار ہوتی تھی - لاہور کے گرد و نواح میں تو پھر بھی برائے نام تھوڑا بہت انتظام اور رعب و داب قایم تھا - لیکن دور دست اضلاع میں کسی قسم کی حکومت نہیں تھی -

مہاراجہ شیر سنگھ کے عہد میں جب رانی چند کور کو نو لاکھ روپیہ کی اور جاگیر علاقہ چبال میں ملی - اُس نے اپنی طرف سے اُس علاقہ کا تصرف کرنے کے واسطے وہان مہاراجہ گلاب سنگھ کو بھیجا - اور اپنا لاکھون روپیون کا مال و اسباب نقد و جنس جدید جاگیرون پہونچانیکے لیے مہاراجہ موصوف کے حوالہ کیا - جس کے بعد رانی مذکور جب مروا ڈالی گئی - تو اس دن سے مہاراجہ موصوف نے لاہور کا بگڑا ہوا رنگ دیکھکر وہان کی آمد و رفت اور بود و باش ترک کر کے جمون کی رہائش اختیار کی بعد اپنے بزرگون کی اس چھوٹی سی پہاڑی ریاست کی اصلاح درستی اور خبرگیری میں معروف ہو گئے - مطلب اس کنارہ کشی کا یہ تھا کہ مہاراجہ موصوف لاہور کے تنازعون سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے - اور ان فتنے اور فسادون سے یہان تک متنفر تھے - [illegible]

کبھی بھی لاہور میں نہیں آتے تھے - لیکن اُن کے مخالفون کو یہ کب منظور ہو سکتا تھا کہ بدعملی اور سازشون کی جو آگ لاہور میں لگی ہوئی تھی اونکی جان و مال تو اوس کے جہانسوز شعلون سے جل جل کر خاک سیاہ ہوتے جائین - اور مہاراجہ گلاب سنگھ جمون میں الگ بیٹھے ہوئے امن چین کی زندگی بسر کرین - اور اُن کو ذرہ سی آنچ بھی نہ لگے -

سب سے پہلے مہاراجہ نند کور کی تخریب کا خواہان خاص اُن کا بھتیجا راجہ ہیرا سنگھ ہی ہوا - جو اپنے باپ کی ہلاکت کے بعد خالصہ حکومت کا وزیر بن گیا تھا -

سنہ ۱۲۴ھ مطابق سنہ ۱۹۰۰ بکرمی میں اُس نے جسطرح سے جمون پر حملہ کرنے کیلئے ایک فوج عظیم بھیجی - اور جن ترکیبون سے بہادر اور دانا مہاراجہ نے جمون کا بال بھی بیکا نہونے دیا - اور فوج کے اس سیلاب عظیم کو سوائے کسی قسم کا نقصان پہونچانیکے رفع دفعہ کر دیا - اُسکا مفصل حال میان سوہن سنگھ کے مارے جانے کے باب میں درج ہو چکا ہے -

راجہ ہیرا سنگھ کی ہلاکت کے بعد جمون پر ایکدفعہ پھر حملہ ہوا - یہ چڑھائی راجہ ہیرا سنگھ مقتول کے جانشین سردار جواہر سنگھ کے حکم سے ہوئی تھی جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کا ماموں تھا - یہ مہم جو سابقہ فوجی مہم کی نسبت تعداد میں بھی زیادہ اور نقصان رسانی میں بھی زیادہ خطرناک تھی - نبرکسان سرداران - شام سنگھ اٹاری والا - میوہ سنگھ مجیٹھیا - فتح سنگھ مان اور سلطان محمد ٹوانے کے عہدہ آور ہوئی تھی -

اور یہ چڑھائی اسواسطے کی گئی تھی کہ مہاراجہ گلاب سنگھ سے اُن کے دونون بھائیون اور راجہ ہیرا سنگھ کی تمام جایداد منقولہ اور غیر منقولہ وصول کیجائے اور اون سے تین کروڑ روپیہ کا جرمانہ بھی لیا جاوے -

[illegible] راجہ گلاب سنگھ بخوبی جانتے تھے کہ وہ اس ٹڈی دل

فوج کا مقابلہ کسیطرح سے نہیں کر سکتے تھے - تاہم اُنہون نے ایک سخت مقابلہ کی تیاری کی - اور ڈوگرہ لوگ اپنے حملہ آورون کے ساتھ جنہون نے پہلے دن ہی نہایت تیزی سے دہاوا بول دیا تھا ایسے جان توڑ کر لڑے کہ سردار فتح سنگھ مان جوکہ ایک نہایت ہر دلعزیز اور بہادر سردار اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت کا ایک آزمودہ کار سپاہی تھا - مارا گیا -

سردار فتح سنگھ مان کے مارے جانے سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو خوف ہوا کہ اب سکھ لوگ جوش میں آکر اپنے ہر دلعزیز سردار کی موت کا بدلا لئے بغیر جمون سے ہرگز واپس نہونگے - اور یہ اندیشہ اُن کے دل میں ایسا جانشین ہوا کہ جمون کو بچانے کے خیال سے وہ اپنی جان سے لاپرواہ ہو کر بیدھڑک سکھون کی فوج میں چلے گئے - جہان اُنہون نے سردار فتح سنگھ مان کو اپنا قدیم دوست اور لنگوٹیا یار بیان کرکے اُس کے مارے جانے کا سخت افسوس کیا - اور سرداران فوج اور پنچون کا منہہ داد و دہش کی شیرینی سے میٹھا کرکے دشمنون کو بھی اپنا دوست بنا لیا - علاوہ ازین اونہون نے تین لاکھہ روپیہ ہاتھیون پر لدوا کر لاہور کو بھی روانہ کر دیا تاکہ اس روپیہ کے ساتھہ لاہور کے مخالفون کا بھی مونہہ بند کر دیا جاوے -

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس طرح سے جو سونے اور چاندی کی زبان چلائین اونہون نے کینہ ور سکھون کے زنگ آلود طبیعت کی میل کو دہو کر صاف کر دیا اور دولت کی آگ نے اونکے سنگین دل کو پگلا کر موم بنا دیا - اس سورما اور تجربہ کار مہاراجہ نے جمون کو تو سکھون کے حملہ سے بچا لیا - لیکن خود اپنی خطرہ سے محفوظ نہیں تھا بلکہ حملہ آور اوسکو اپنے ساتھہ لاہور لیگئے جہان شہر کی دیوارون کے متصل پہونچنے پر مقیم سو گیا - پھر نہایت عزت کے ساتھہ مہاراجہ دلیپ سنگھ

کی والدہ اور نایب سلطنت رانی جندان کے پاس پہونچایا گیا۔ اس رانی نے اونکو نقصان پہونچانیکی جگہ اُلٹا اُسکی عزت افزائی اور تواضع تکریم کرنی شروع کی۔ رانی جندان کو اسقدر مہربان پاکر مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی بیگناہی کو مختصر طور پر اس عمدگی کے ساتھہ بیان کیا کہ اگر رانی موصوف کا بھائی سردار جواہر سنگھ مخالفت نہ کرتا۔ تو وہ مہاراجہ موصوف کو اپنا وزیر بنالیتی۔

اس طرح سے مخالفت کی تلوار کی تیزی جو کہ مہاراجہ موصوف کے سر پر لٹک رہی تھی بالکل کند ہوگئی۔ تاہم سردار جواہر سنگھ نے اونکو تین چار ماہ تک لاہور میں ہی پڑے رہنے دیا جس عرصہ میں اُس نے اُن کو صرف لون سیانی کے ٹھیکہ سے ہی سبکدوش کیا۔ بلکہ اُن سے ساٹھ لاکھہ روپیہ کے جرمانہ کی ادائگی کے علاوہ یہ بھی اقرار لیا کہ وہ راجگان دہیان سنگھ۔ سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کی جاگیریں بھی واپس کردینگے۔

اس طرح سے جب مہاراجہ گلاب سنگھ کا ہزارہ کے علاقہ میں ذرہ سا بھی رسوخ نہ رہا جو محض لون سیانی کے ٹھیکہ سے تہا تو اونکو جموں چلے جانے کی اجازت ملی۔ اور وہ رخصت ہوگئے۔

اُس کے بعد سکھوں کے دلوں کی کدورتیں دور ہوگئیں۔ اور سردار جواہر سنگھ مہاراجہ موصوف کے ایسے پکے دوست بن گئے کہ جب سنہ ۱۸۴۵ء مطابق سمت ۱۹۰۲ میں مہاراجہ دلیپ سنگھ کی شادی سردار چتر سنگھ اٹاری والے کی دختر کے ساتھ ہوئی۔ تو اس موقعہ پر وزیر جواہر سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بھی مدعو کیا۔ جنہوں نے اس دعوت کو منظور کرکے اپنی شمولیت سے شادی کے جلسوں کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

سکھوں کی شکست اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی مدار المہامی

سردار تیج سنگھ اور سردار لال سنگھ جو پیچھے سے راجے بنائے گئے تھے اُن کا خیال تہا کہ جس بزدلانہ طریقہ سے انہوں نے اپنی فوج کے گلے کٹوائے تھے۔ اور اوس کو تباہ کیا تہا۔ اُن کی اس حرکت سے حکام انگریزی خوش ہوکر اُنکے ساتھہ مہربانی کا سلوک کرینگے۔

لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ ہردو سرداروں نے دوران جنگ میں جدا جدا التجا کی تھی۔ کہ اُن کو گورنر جنرل ہند کے ساتھ ملاقات کرنیکا موقعہ دیا جاوے۔ لیکن بجواب اونکے انکو بلا طور پر یہ ذہن نشین کرایا گیا تہا کہ جبتک انگریزی فوج لاہور میں داخل نہ ہوگی۔ تب تک نہ کسی قسم کی مصالحت ہوگی۔ نہ کوئی نامہ و پیغام سنا جائیگا۔ اور نہ کسی کے ساتھ ملاقات کیجائیگی۔

اس کے بموجب سبراؤں کے قریب آخیر جنگ میں جیت انگریزوں کے ہاتھ رہا اور سکھوں کے کامل شکست کہانے کے بعد اس گھمسان کی لڑائی میں اونکے ایسے چھکے چھوٹے کہ جہاں کچھ سمجھ نہ پڑی سب اُس پل کیطرف دوڑے جسکو راجہ تیج سنگھ نے بدنیتی سے پہلے کٹوا دیا تہا۔ تو بعض تو دریا میں ڈوب مرے۔ اور بعض دشمن کی توپ اور بندوق کی خونخوار گولہ باری اور غضبناک آگ کی بارش سے کھیت رہے۔ جو سکھ دریا میں ڈوبے وہ اتنے زیادہ تھے کہ جب اُنکی لاشیں تیرنے لگیں۔ تو اوس وقت جہانتک نظر کام کرتی تھی دریا میں بجز لاشوں کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

ادہر انگریزی فوج نے فتح حاصل کرکے ستلج پر دوبارہ پل بنایا۔ جس

کیواسطے کشتیان بمبئی مین تیار ہوکر پہلے سے ہی منگوائی گئی تہین
پل کے تیار ہوجانے پر جو چند یوم مین ہی بن گیا تہا- فوج ظفر موج نے
۲۱- فروری ۱۸۴۶ء کو معہ گورنر جنرل کے لاہور پر چڑہائی کردی-

اب رانی جندان اور راجہ لال سنگہ اور راجہ تیج سنگہ کی آنکہین کہلین
جنہون نے اپنی فوج کو حکم دیا تہا- کہ ستلج کے پار جاکر انگریزون کے ساتہہ
جنگ کرکے ہندوستان کو فتح کرو- اور جنکا خیال تہا کہ اس طرح
سے یا تو وہ انگریزون کو مغلوب کرلینگے- ورنہ اُن کی بدمست فوج کے
تباہ ہوجانے پر وہ لاہور مین بیٹہکر دشمنون سے بیفکر ہوجائینگے اور امن چین سے
خوب گلچہرے اڑائینگے- بلکہ ہرچہاگردی کی خونریزیون اور مفسدہ پردازیون
سے بہی نجات حاصل کرینگے-

اب اُن کو معلوم ہوا کہ فوجی پنچون کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کے
بعد وہ انگریزی فوج کے قابو مین آبسے ہین- لیکن جو کہ فتنہ اور قوم کشی
اُنہون نے کی تہی- اب اوس کا علاج کیا ہوسکتا تہا- نہ تو انگریز ملاقات
کا ہی موقعہ دیتے تہے- نہ کوئی نامہ و پیغام ہی سنتے تہے اور نہ اونکی
پیش قدمی کے روکنے کی ہی کسی کو جرات تہی- رانی جندان اور اوس
کے دونون سردار سخت گہبرائے- رانی مذکور کو بہی اور اُس کے ان
دونون یارغارون کو بہی جان کے لالے پڑ گئے-

اس وقت لاہور مین سخت گہبراہٹ اور ہلچل مچی تہی- اب رانی جندان
کو معلوم ہوگیا کہ جن سردارون کا اُس کو بہروسا تہا- وہ سخت نالایق
تہے- اور انگریزون کی نظرون مین اون کی کوئی عزت نہین تہی- جب
آنیوالی مصیبت کا رانی جندان یا اُس کے سردارون کو کوئی علاج نظر نہ آیا
توسب مہاراجہ گلاب سنگہ کے شرن آئے- خوف زدہ رانی نے اونکو
لاہور مین طلب کیا- لیکن انہون نے یہ خیال کرکے کہ خود کردہ را علاجے

نیست- اور تمام خرابی رانی جندان نے خود کی تہی پہلے تو جانے سے
انکار کردیا-

لیکن دوسری دفعہ کی طلبی پر رانی مذکور کے پاس چلے آئے- یہہ
۲۷ جنوری ۱۸۴۶ء مطابق سمت ۱۹۰۳ کی بات ہے- چند روز کے بعد
یہان وہ مدارالمہام بنائے گئے- اور اون سے استدعا کی گئی- کہ
کسیطرح انگریزون کے ساتہہ صلح کرادی جائے-

اس موقعہ پر انگریزی فوج قصور مین پہنچ گئی تہی- اور یہان اُن کو مہاراجہ
موصوف نے وزیر بنائے جانے کی اطلاع بہیجی- اور یہ بہی ظاہر کردیا- کہ گو
سکہون کی یہ سخت نادانی تہی- کہ انہون نے سرکار انگریزی کے ساتہہ
ناحق جنگ کرکے آبیل مجہکو مار کے مصداق بن گئے- لیکن مین امن
پسند آدمی ہون- اور حتی المقدور لڑائی بہڑائی سے پرہیز کرنا چاہتا ہون
اسواسطے میری کوشش ہوگی کہ سرکار انگریزی اور خالصہ سرکار مین پہر سابقہ
اتحاد قایم ہوجاوے-

اس کا جواب مہاراجہ موصوف کو یہ ملا- کہ پہلے فوج کے بیڑے توڑ ڈالو
اور پہر صلح صفائی کی بات چیت کرو- لیکن مہاراجہ مذکور مہاراجہ رنجیت سنگہ
کے وقت کے ایک آزمودہ کار دیرینہ اہلکار تہے- وہ ایسے جہانسون
مین کب آنے والے تہے- اُنہون نے فوج کے بیڑون کو توڑنے
سے بدین الفاظ انکار کیا- کہ فوج سرکش ہورہی ہے- اسوقت ان
مین ہلچل پیدا کرنی ایک سخت خطرناک اور بیجا حرکت ہوگی-

ازان بعد مہاراجہ گلاب سنگہ کو دوبارہ یہ کسی نے نہین کہا- کہ فوج کو
ہٹاؤ- بلکہ صلح صفائی کے نامہ و پیغام مین یہان تک ترقی ہوئی کہ
گورنر جنرل بہادر نے قصور سے ہی ایک اعلان بدین مضمون جاری
کیا- کہ ستلج کے جنگ مین سکہون کو شکست فاش مل چکی ہے-

بوجہ جس کے انگریزی فوج کو پنجاب میں داخل ہونیکا موقعہ ملا۔ اب صلح صفائی اوسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ کہ جب ایک تو معقول تاوان جنگ دینا منظور کیا جائے۔ اور دوئم یہ یقین دلایا جائے کہ لاہور میں ایک ایسی اچھی حکومت قایم کیجائیگی۔ جو کہ آئندہ کیلئے اپنے افعال کی ذمہ وار قرار دی جائے۔

اس اعلان کی باضابطہ اطلاع مہاراجہ گلاب سنگھ کو بھی دی گئی تھی اور اُن کے ذہن نشین یہ بات بھی کی گئی تھی۔ کہ خالصہ دربار اس اعلان کا استفایدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ساتھ ہی اُن کو پھر بھی یقین دلایا گیا۔ کہ جب تک سکھ لوگ خود کسی قسم کا فتنہ و فساد نہ کرینگے۔ تب تک سرکار انگریزی اس اعلان پر قائم رہیگی۔

رانی جنداں نے جب دیکھا کہ انگریزی حکام مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ خط و کتابت کرنے سے بھی انکار نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اونکو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو اوس نے اس اعلان کو غنیمت سمجھا۔ اور اوس سے فوراً فائیدہ اُٹھانے کیواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ کو پورا اختیار دیدیا۔ کہ وہ جسطرح اور جن شرائط پر مناسب سمجھیں انگریزوں کے ساتھ صلح صفائی کرادیویں۔

بلکہ اوس نے اور اوس کے سرداروں نے قسم کھاکر مہاراجہ گلاب سنگھ کو یقین دلایا کہ وہ سب مہاراجہ موصوف کے مشورے اور تجاویز کے پابند رہینگے۔

ایسی حالت میں ۱۴ فروری ۱۸۴۶؁ کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے قصور میں لارڈ ہارڈنج سے ملاقات کی اور اس ملاقات میں اُن کے ساتھ دیوان دینا ناتھ۔ فقیر نور الدین اور سلطان محمد خان بھی شامل تھے اس ملاقات میں لارڈ ہارڈنج نے خالصہ دربار کے سرداروں کو

ایما فرمایا کہ وہ میجر ہنری لارنس صاحب پولیٹیکل ایجنٹ اور کری صاحب چیف سکریٹری کے ساتھ شرائط صلح کا فیصلہ کرلیویں۔

اسکے مطابق بعد کامل بحث و مباحثہ کے جانبین پر ایک عہدنامہ کا مسودہ مرتب ہوا جسکی شرائط حسب ذیل تھیں۔

عہدنامہ ۱۴۔ فروری کی شرائط

(۱) جو علاقہ مابین دریائے ستلج اور بیاس کے واقعہ ہے وہ معہ دریائے ستلج کے ہر دو کناروں کے سرکار انگریزی کے حوالہ کیا جائیگا۔

(۲) سرکار انگریزی کو ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ کے ادا کیا جائیگا۔

(۳) موجودہ سکھوں کی فوج توڑ دی جائیگی۔ اور آئندہ کے لئے جو تعداد سرکار انگریزی مقرر کریگی اوسی تعداد تک جدید فوج مقرر کیجائیگی۔

(۴) مہاراجہ دلیپ سنگھ کی مملکت کی حد و حدود اور اوس کے آئندہ انتظام کا فیصلہ لاہور میں کیا جائیگا۔

ان شرائط کے مرتب ہونے کے بعد یہ بھی فیصلہ ہوگیا تھا۔ کہ سکھوں نے انگریزوں کے ساتھ جو جنگ کیا تھا۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو قصور میں آکر گورنر جنرل سے اُس کی معافی مانگنی ہوگی۔ چنانچہ ۱۸ فروری کو خورد سال مہاراجہ دلیپ سنگھ قصور میں تشریف لائے۔ اور اُن کے خاص سرداروں میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ۔ بھائی رام سنگھ اور دیگر سردار اُن کے ساتھ تھے۔ چنانچہ یہاں ...... مہاراجہ موصوف اور اُن کے سرداروں نے پہلے معافی مانگی اور بعد اُس کے عہدنامہ مجوزہ پر فریقین کے دستخط ہوگئے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ یہ عہدنامہ سکھوں کو ذلیل اور اون کے اقتدار اور

طاقت کو خاک میں ملانے والا تھا۔

لیکن ایک ایسے وقت میں جبکہ سکھ بالکل پامال ہو گئے تھے۔ اور فتحیاب انگریز قصور میں داخل ہو کر اب تلوار کے زور سے لاہور میں اپنی حکومت کا سکہ جمانا چاہتے تھے۔ نہ یہ ممکن تھا۔ کہ حکام انگریزی ان شرائط سے زیادہ نرم شرائط پر صلح کرتے۔ نہ سکھوں میں اب یہ طاقت تھی کہ انگریزوں کے آگے وہ اب کسیطرح کی چون و چرا کر سکتے۔ پس اس خیال کو دل میں آنے دینا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے باتوجہ اپنی پولٹیکل ناتجربہ کاری کے یا کسی اور ذاتی قابلیتی نقص یا بدنیتی کے سکھوں کے گلے میں ایسی خراب اور تباہ کرنے والی شرائط کا ہار ڈلوادیا۔ سراسر خام خیالی اور کوتاہ اندیشی ہے۔ بلکہ پرمغز زمانہ شناس اور آزمودہ کار اشخاص میں اگر کوئی خوبی ہوتی ہے۔ تو وہ یہی ہے۔ کہ جب زمانہ کو ناموافق پاتے ہیں۔ تب نرم پڑجاتے ہیں۔ اور جب بگڑے ہوئے کھیل سب بن جاتے ہیں۔ تب پھر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہیں۔

بہرحال مہاراجہ دلیپ سنگھ اور اون کے سرداروں نے جو معافی مانگی۔ اور ان شرائط کو قبول اور منظور کیا۔ ان دونوں باتوں سے سرکار انگریزی اور خالصہ دربار میں پھر اتحاد اور دوستی کا رابطہ قایم ہو گیا۔

۲۰ فروری کو اوسی سال مہاراجہ قصور سے لاہور کو واپس لوٹا۔ اور سرکار انگریزی کیطرف سے مسٹر کری چیف سکتر۔ میجر ایچ لارنس پولٹیکل افسر۔ اور مسٹر سی ہارڈنج پرایویٹ سکتری حضور گورنر جنرل بہادر لاہور تک اوس کے ہمراہ آئے۔ جہاں جب مہاراجہ موصوف معہ مہاراجہ گلاب سنگھ قلعہ میں داخل ہوا تو انگریزی توپخانہ سے جو کہ گھوڑوں کا توپخانہ تھا۔ ۲۱ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ یہ پہلے سے ہی قرار پاچکا تھا۔ کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کے داخلہ لاہور کے بعد ہی اوسی روز گورنر جنرل بہادر بھی

رونق افروز ہونگے۔ اس واسطے زمانہ شناس مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس بات کی بہت احتیاط کی کہ خالصہ فوج کا ایک حصہ تعدادی پچیس ہزار جو سبراؤں سے شکست کھا کر سیدھا لاہور کو آرہا تھا کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرنا پاوے۔

فوج کے اس حصہ کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے تاصدور حکم ثانی بیراونڈ میں روک دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیدیا کہ جس سکھ کے پاس کسی قسم کا ہتھیار ہو۔ وہ لاہور میں گشت نہ کرنا پاوے۔

بلکہ جہاں جہاں جو سکھ سپاہی پہرہ پر مامور تھے۔ وہاں سے وہ بھی تبدیل کر دئے گئے۔ اور اونکی جگہ مسلمان اور نجومی سپاہی مقرر ہوگئے۔ سکھوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ان احتیاطی احکام کی پوری پوری تعمیل کی۔ جس پر گورنر جنرل بہادر نے لاہور میں خیر و عافیت کے ساتھ داخل ہو کر عہدنامہ مذکور کو تصدیق فرمایا۔

اس عہدنامہ کی تکمیل ہونے کی ہی تاخیر تھی۔ کہ بےسمجھ رانی جندان نے پھر سردار لال سنگھ کو اپنا وزیر بنالیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی وزارت ایک ایسی زمانہ میں ختم ہوگئی۔ جبکہ صلح صفائی کے معاملات ابھی اودھری حالت میں ہی پڑے ہوئے تھے۔ لیکن بیچاری رانی جندان کا بھی اس میں کیا قصور ہے۔ جو ایشور پرماتما کو منظور ہوتا ہے۔ ویسے ہی سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ خدا کی خواہش یہی تھی۔ کہ سکھونکی سلطنت زیادہ مدت تک قایم نہ رہنا پاوے۔ اس واسطے اوس نے تمام سامان ویسے ہی پیدا کر دئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملک کشمیر کا ملنا

تاریخ سے تو اس بات کا پتہ بالکل نہیں چلتا کہ ایک ایسے وقت میں

چنانچہ ایسا ہی ہوا - اور جس روز سے دس ہزار انگریزی فوج لاہور میں داخل ہوئی - اوس روز سے عملی طور پر پنجاب کی حکومت انگریزون کے ہاتھ میں تبدیل ہوگئی - سکھ سردار سر بسر بیدخل ہوگئے - اور خورد سال مہاراجہ دلیپ سنگھ کے نام سے سارے ملک کی حکومت گورنمنٹ ہند کا قایم مقام کرتا تھا جس کی بدولت تمام ملک میں انگریزی رعب وداب بخوبی قایم ہوگیا - اور سکھون کا اثر بالکل جاتا رہا -

ریزیڈنٹ بہادر لاہور نے پہلے تو بجا طور سے سردار لعل سنگھ کو بنارس میں دے مارا - پھر رانی جندان کا اخراج کیا - جس کو پہلے تو اوس نے شیخوپورہ میں بہیجدیا - پھر فیروزپور میں رکھا - اور یہان سے بنارس کو روانہ کردیا جہان سے وہ نیپال کو بہاگ گئی - بعد اوس کے معلوم نہیں - کہ نیپال میں اوس کا کیا حال ہوا -

ان جلاوطنیون کے بعد چالباز اور مفتن لوگون کی چاندی ہوگئی - وہ عروج پکڑنے لگے - اور شرفا اور اچھے آدمی کس مپرسی کی حالت میں پڑ کر بیقدری کے شکار ہوگئے -

کتاب پنجاب ان چیس انڈوار مصنفہ مسٹر تھاربرن صاحب میں لکھا ہے - کہ خالصہ حکومت میں جس جس جگہ وہ سکھ معزز و برسرکار تھا - ان سب کو انگریزی فوجی نوجوان گورون نے سبکدوش کیا - اور اسی طرح سے تمام ملک میں فوجی گورون کی ہی حکومت قایم ہوگئی - جن سکھ سردارون کی مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت عزت کرتے تھے - وہ معمولی حیثیت کے آدمیون کی طرح پکڑ پکڑ کر قید خانون میں ڈالے گئے اور آخر کار بقول کتاب مذکور کے ایسے سامان پیدا ہوگئے - کہ سکھ لوگ گجرات کا جنگ کرنے پر مجبور ہوئے - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب

کا الحاق ہوگیا - اور مہاراجہ دلیپ سنگھ جلا وطن کر کے ولایت کو پہونچائے گئے -

یہ سب نتیجہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی علیحدگی کا تھا - اگر ان سے لاہور کی وزارت نہ چھینی جاتی - تو یقیناً لاہور دربار کی یہ دُردشا نہوتی - بلکہ سکھون کی سلطنت بدستور قایم رہتی - اور پھر اپنا گم گشتہ عروج حاصل کرلیتی لیکن معلوم ہوتا ہے - کہ ایشور کی خواہش یہی تہی - کہ اس عظیم الشان سلطنت کی اینٹ سے اینٹ رانی جندان - سردار لعل سنگھ اور سردار تیج سنگھ کے ہاتھ سے بجائی جائے -

کشمیر میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت اور ذاتی قابلیت

مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے جدید علاقہ کی اصلاح کرنے والے نہیں تھے - بلکہ بانی ریاست تھے - اور گو یہ قیاس کرنا بہت مشکل تھا - کہ مہاراجہ موصوف ابتدا میں ہی اپنی ریاست کا کامل انتظام کرسکینگے - تاہم انہون نے اپنی چند روزہ حکومت کے عرصہ میں جو گیارہ برس سے زیادہ نہیں تھی - اوس زمانہ کے حالات اور رعایا کی ضرورتون کے مطابق وہ انتظام کیا - کہ بایدوشاید - بلکہ یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہوگا - کہ جو امن و امان رعایا کو اون کے عہد حکومت میں حاصل ہوا - وہ پٹھانون اور سکھون کی اندھا دھند اور سکھا شاہی حکومت سے بدرجہا بہتر تھا - اور جو جرایم روز افزون ترقی پر تھے - اون کا مہاراجہ موصوف نے بخوبی انسداد کردیا - اور اون کی حکومت میں

اس قسم کی چند ایک خوبیاں بھی موجود تھیں۔ کہ جن کا دعوی بعضی یورپ اور امریکہ کی ترقی یافتہ حکومتیں بھی نہ پیچھے نہ اب کر سکتی ہیں۔

اب ایک صدی کی تباہ اور برباد کرنے والی حکومتوں کے بعد لوگوں کو اسقدر فراغت اور اطمینان حاصل ہوا۔ کہ سب اپنے کاروبار کی ترقی میں مصروف ہو گئے۔

اس مہاراجہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے ملکی انتظام کیواسطے شیرمال یا دیوان مال کا محکمہ قایم کیا۔ کل ریاست کی دو قسمتیں بنائیں ایک خاص جموں میں۔ اور دوسری کشمیر میں پھر کشمیر کے چار ضلعے بنائے جن کا نام وند رکھا۔ اور ہر ایک وند کی حکومت نو نو پرگنوں پر قایم کی۔ اور فی پرگنہ ایک ایک کاردار مقرر کیا۔ کشمیر قدیم الایام سے ۳۶ پرگنوں میں تقسیم ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اسی قدیم تقسیم کو پسند کیا تھا۔

اس انتظام کے مطابق زمیندار لوگ نمبرداروں کے پاس مالیہ جمع کراتے تھے۔ اور نمبردار لوگ کارداروں کے ماتحت تھے۔ اور ان کارداروں کی نگرانی وندوالے کرتے تھے لیکن وندوالوں کی حکومت براہ راست خود مہاراجہ صاحب کے ہاتھ میں تھی۔

مہاراجہ موصوف نے قلمرو جموں کو بھی اسیطرح وندوں۔ اور پرگنوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن جموں کی وندوں کی حکومت دیوان جوالا سہائے کے سپرد تھی۔ جو اسوقت قلمرو جموں کے دیوان مال تھے۔ اور ادہر ریاست کے مدار المہام بھی تھے۔

زمینداروں سے مالیہ نقدی میں وصول نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ قدیم رواج کے مطابق عموماً دیدہ و دانستہ جنس کا حصہ اسواسطے لیا جاتا تھا۔ کہ غلہ کا انتظام سرکار کے ہاتھ میں رہے کیونکہ کشمیر

میں لوگوں کو غلہ کی تجارت کے ساتھ چنداں دلچسپی نہ تھی۔

فراہمی غلہ کا طریقہ یہ تھا۔ کہ ہر ایک گاؤں میں ترازودار مقرر تھے۔ جنکا کام غلہ کو تولنا تھا حمال اور مرکب بان سرکاری حصہ کے غلہ کو جہاں گھاٹ قریب ہوتا تھا۔ گھاٹ پر پہونچایا کرتے تھے۔ جہاں گھاٹ نہیں ہوتے تھے۔ براہ راست ٹٹوؤں پر لادکر شہر سرینگر اور قصبوں میں پہونچاتے تھے۔ جو غلہ گھاٹوں پر پہونچتا تھا۔ وہ تول تول کر ہانجیوں کی تحویل میں آتا تھا۔ ہانجی لوگ اوس کو بڑی بڑی کشتیوں میں ڈالکر سرینگر میں پہونچاتے تھے۔

خاص سرینگر اور دیگر قصبہ جات میں اس غلہ کے ذخیرے بڑے بڑے کوٹھوں میں رکھے جاتے تھے۔ جن کی تعمیر اور مرمت سرکاری لاگت سے ہوتی تھی۔ اور ہر ایک کوٹھے کا تحویلدار افسر کوٹھہ یا کوٹھے والا یا ذخیرہ دار کہلاتا تھا۔

اس تمام خرخشہ کا انتظام اور حساب و کتاب جسمیں قلمرو کشمیر کے غلہ کا۔ ہانجیوں۔ حمالوں۔ مرکب بانوں اور ترازوداروں کا حساب کیا جاتا تھا۔ ایک محکمہ کے ماتحت تھا۔ جس کو محکمہ ڈول جنسی کہتے تھے۔

محکمہ بندوبست تو اس ابتدائی وقت میں ابھی قایم ہی نہیں ہوا تھا لیکن جو فرایض محکمہ بندوبست کے تھے۔ وہ بھی یہی کاردار لوگ ادا کرتے تھے۔ انکا دستور تھا۔ کہ سرکاری حصہ وصول کرنے سے پیشتر استادہ فصل کی تشخیص کرتے تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بخوبی جانتے تھے۔ کہ غلہ بٹائی کا قدیم رواج نہایت خراب۔ مہنگا۔ طول و طویل۔ اور نئے ڈھنگ کا ہے۔ اور نقدی مالیہ وصول کرنا بہت آسان اور سستا ہے۔ لیکن باوجود

اس کے ملک اور رعایا کی حالت کو مدنظر رکھکر اُنہون نے غلہ بٹائی کے قدیم انتظام کو بدلنا منظور نہیں کیا - بلکہ تمام فضول اخراجات اور خرخشہ کو اپنے ذمہ نہایت خوشی سے لیا - اور یہ پسند نہیں کیا - کیے اون کی رعایا چھوٹے چھوٹے غلہ بیچنے والون کی سختیون کا شکار ہو جاوے جو ہمیشہ غلہ کو قحط کے نرخون سے بھی زیادہ مہنگا کرنے کے عادی ہے - کشمیر کی چار وڈرون کے نام مراج - شہر خاص - کمروہن بانگل اور کامراج تھے - اور ابتدائی وڈ والے وزیر پنون پنڈت راجہ کاک در میان امیر سنگہ - اور دیوان اجن مل تھے -

دوسرا محکمہ مہاراجہ موصوف نے بتقلید اکبر بادشاہ کے دفتر دیوانی بنایا تھا - تمام کاردار اور محکمہ جات اپنا اپنا حساب اسی محکمے مین بھیجتے تھے - کل ریاست کے حساب کی پرتال اور نگرانی یہہ ہی محکمہ کرتا تہا - اور موجودہ محکمہ اکونٹنٹ جنرل کی نسبت یہ محکمہ بدرات نکالنے مین اور پرتال کرنے مین کسی طرح سے بھی قواعد کا کم پابند نہ تھا بلکہ اُس زمانہ کے دفتری اور محاسب اور ہی قسم کے تھے - اسوجہ سے کہ اُن کا محکمہ ابتدائی حالت مین تھا - ان لوگون مین گو کیسے ہی نقص موجود تھے - تاہم حساب کی پرتال مین وہ کسی ایسے اوچر یا دستاویز کو کبھی بھی منظور نہ کرتے تھے - جو کہ اون کی ذاتی پرتال اور تحقیقات سے درست نہیں پائی جاتی تھی -

تیسرا محکمہ مہاراجہ گلاب سنگہ کا دفتر نظامت تھا - اس مین وہ بدہ ریاست بھر کی اراضیات کا حساب رہتا تھا - اور مہاراجہ کو اس دفتر کے ذریعہ زمیندارون کی کل حالت مع سلوک کے جو اُن کے ساتھ ہوتا تھا - بخوبی معلوم ہو جایا کرتا تھا - اُس زمانہ کا محکمہ بندوبست گویا یہ ہی محکمہ تہا -

اس محکمہ کا دستور تہا کہ ہر ایک فصل کی موسم کے خاتمہ پر ہر ایک گانو مین پٹواری بھیجے جاتے تھے - اور ایک کام ان پٹواریون کا یہ بھی تھا - کہ رسد - لکڑی - یا کوئی اور چیز جو کسی زمیندار سے کوئی کاردار یا اور شخص لیتا تھا - اُس کی مقدار وغیرہ کی مفصل تفصیل اور رپورٹ تیار کر کے یہ لوگ بہت جلد دفتر نظامت مین بھیجدیتے تھے - وہان سے یہ رپورٹین مہاراجہ کے پاس جاتی تہین - اور وہ ان کو لفظ بہ لفظ سنا کرتے تھے - خفیف زیادتیون کو وہ درگذر کر جایا کرتے تھے - کیونکہ اُن کو بخوبی معلوم تھا - کہ دنیا مین دیانتدار کوئی شخص نہین - البتہ کوئی زیادہ بددیانت اور کوئی کم بددیانت ہے - اور دیانتدار وہ ہی شخص گنا جاتا ہے - جو بمقابلہ زیادہ بددیانت کے کم بددیانت ہے - لیکن اگر اونکو معلوم ہو جاتا - کہ کسی زمیندار کے ساتھ زیادہ سخت گیری ہوئی ہے - تو اس قسم کی زیادتی کا وہ سخت نوٹس لیتے تھے اور اس کے مواخذہ کے لئے یہ لازمی نہیں تھا - کہ مظلوم زمیندار شکایت کرے - اور اپنی شکایت کی تائید مین ثبوت پیش کرے - بلکہ پٹواریون کی شکایتی رپورٹ کو دیکھ کر وہ خاموشی سے تحقیقات کیا کرتے تھے - اور اس خفیہ تحقیقات مین جسکا قصور نظر آتا تھا - اُس کو سخت سزا دیتے تھے - اور اسی تحقیقات کا اثر یہ تہا - کہ اون کے زمانہ مین رشوت خوری شاذ و نادر ہی ہوا کرتی تھی -

کوتوال اور تہانہ دار

اُن کے زمانہ مین یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تہا - کہ پولس کس جانور کا نام ہے - جرائم پیشہ اشخاص کا قلع قمع کرنیکے واسطے مہاراجہ موصوف نے زمانہ قدیم کے ہندو مہاراجگان کیطرح کوتوال اور تہانہ دار

مقرر کر رکھے تھے - اُن کے ذریعہ چور اُچکے - کھیسہ بر اور دیگر جرائم
پیشہ اشخاص کا انتظام کیا جاتا تھا - گلوان لوگ جو کہ گھوڑے اور
ٹٹون کے عادی چور تھے - اُن دنون میں زورون پر تھے - اور تمام
ملک میں وہ بدہ پھیلے ہوئے تھے - ان شیطانون نے مسروقہ
یابون کی نقل وحرکت کیواسطے اڈے بنا رکھے تھے - اور تمام
ملک کو ان اڈون کے ماتحت تقسیم کر رکھا تھا - اور نتیجہ اس خفیہ
انتظام کا یہ تھا - کہ جو گھوڑا یا ٹٹو ایک اڈے کے علاقہ میں سے چرایا
جاتا تھا - اوسکو یہ لوگ فوراً ڈاک بہ ڈاک کسی دور دست اڈے
میں پہنچا دیتے تھے - بوجہ جس کے کشمیر کے گھوڑے گلگت - لداخ
اور پونچھ میں آسانی سے پہونچ جاتے تھے - اور بیچارے مالک کو
نہ کسی طرح یہ خبر ہو سکتی تھی - کہ اوس کا یابو کہان ہے - اور نہ بجز صبر
کے وہ اور کچھ کر سکتا تھا -

حق تو یہ ہے - کہ مہاراجہ موصوف نے بر سر حکومت ہوتے ہی ان
بدمعاشون کا قافیہ اپنے کوتوالون اور تھانہ دارون کے ذریعہ
خوب تنگ کیا -

کوتوال اور تھانہ دار میں فرق یہ تھا - کہ شہرون اور قصبون میں
جو رعایا کے محافظ مقرر کیجاتے تھے - وہ کوتوال کہلاتے تھے اور
جو محافظ بیرونجات میں مامور ہوتے تھے - اُن کو تھانہ دار کہتے
تھے - اور فی پرگنہ علاوہ ایک کاردار کے ایک تھانہ دار بھی مقرر تھا -

یہ تھانہ دار صرف پولیس کا ہی کام نہیں دیتے تھے - بلکہ
اپنے علاقہ کے جج اور مجسٹریٹ بھی تھے - اور اس طرح سے ایک
تو ہر ایک تھانہ دار اپنے علاقہ کے اختیار سماعت کی حدود کے
اندر ہر ایک قسم کے دیوانی - فوجداری یا مال کے مقدمہ کا بھی فیصلہ

کرتا تھا - دوئم بیگاریون کی فراہمی بھی اس کے ذریعہ ہوتی تھی -
علاوہ اس کے - لکڑی - غلہ - اور اسی قسم کی اور کوئی چیز جس کی
سرکار کو ضرورت پڑتی تھی - اس تھانہ دار کے ذریعہ بہم پہونچائی
جاتی تھی - اور تمام سرکاری امورات کی انجام دہی کا ذمہ وار یہہ
ہی تھانہ دار تھا -

خوبی اس انتظام میں یہ تھی - اول تو چوری چکاری وغیرہ جرائم
ہوتے ہی نہ تھے - اور کوئی چوری ہو بھی جاتی تھی - تو چور معہ مال
مسروقہ کے فوراً گرفتار ہو جاتا تھا -

ان کوتوالون اور تھانہ دارون کی یہ عادت تھی - کہ اُن کے پاس
کسی چوری کی جو رپورٹ آتی تھی - نہ اُس کو وہ جھوٹھی خیال کرتے
تھے - اور نہ اُس کو جھوٹھی بنانیکی کوشش کرتے تھے - کیونکہ وہ
جانتے تھے - کہ جس طرح زمانہ حال کی شائستہ حکومت میں دنیا
میں ایسے ملک بھی موجود ہیں - جہان اب لوگ جھوٹھی رپورٹین لکھا
دیتے ہیں - اُس زمانہ کے لوگ نہ اس قسم کی مکاری سے آلودہ
تھے اور نہ جھوٹھے مقدمے بنانے کے عادی تھے - بلکہ یہ کوتوال
اور تھانہ دار بھی مال بازیافتہ میں اپنا کوئی حصہ قایم نہیں کرتے
تھے - اور نہ حتی المقدور رشوت لیتے تھے - نہ کسی کو رشوت دیتے
تھے - جیسا کہ اکثر نا ترقی یافتہ ملکون میں اسوقت کیا جاتا ہے -

عام اصول ان کوتوالون اور تھانہ دارون کا یہ تھا - کہ جو نہی
ان کو کسی واردات کی خبر ملتی تھی - وہین وہ اوس کا سراغ چلانے
میں مصروف ہو جاتے تھے - اور جب تک چور کا پتہ نہیں لگ
جاتا تھا تب تک کسی طرح سے خاموش نہیں ہوتے تھے -

وجہ اس مستعدی اور کامیابی کی یہ تھی - کہ جس اصول پر اکثر

ترقی یافتہ حکومتین اُسوقت اپنے ملازمون کو بھرتی کرتی ہیں۔
مہاراجہ موصوف اس اصول کے مقلد نہ تھے۔

زمانہ حال میں ملازمت کیواسطے بجز تعلیم کے کسی اور خوبی یا استحقاق کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جسکے خیالات بہت بُرے ہون۔ کسی امتحان میں پاس ہوجاوے تو اوسکو فوراً ملازمت مل جائیگی۔

یہ لازمی نہیں کہ اوسکو ملازم رکھنے سے پیشتر یہ تحقیق کیا جاوے کہ وہ دیانتدار۔ ایماندار۔ رحمدل۔ اور خدا دوست ہے یا نہیں۔ بلکہ اس قسم کی دیکھ بھال کرنیکا کوئی قاعدہ ہی مروج نہیں ہے۔ جس وجہ سے ایک تعلیم یافتہ آدمی کو خواہ وہ اخلاقی کمزوریون کا پتلا ہی کیون نہو۔ عموماً اور ہر حالت میں ایک رحم دل۔ شریف۔ خدا دوست۔ خاندانی اور نہایت مستحق شخص پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مہاراجہ گلاب سنگھ بھی علم و ہنر کے قدردان تھے۔ لیکن وہ اپنی پرورش کا مستحق صرف اوسی عالم یا تعلیم یافتہ شخص کو سمجھتے تھے۔ جس میں کہ مذکورہ بالا خوبیان بھی ہوتی تہیں۔ ورنہ جن عالم شخصون میں بجز علمیت کے اور کوئی خوبی نہو۔ اُن سے وہ ایک بیعلم نیک نیت شخص کو ہزار درجہ اچھا سمجھتے تھے۔ حتے کہ ایک لکھے پڑھے بدشکل شخص کی جگہ بھی وہ ایک انپڑھ شکیل اور ڈیل ڈول والے آدمی کو اچھا جانتے تھے۔ اور دلیل اون کی یہ تھی۔ کہ بدشکل حاکم کا خلقت پر اچھا اثر نہیں پڑتا ہے۔

یہ ایک اصول تھا جس کے مطابق رہ بلا لحاظ تعلیم کے اپنی ریاست کا ہر ایک عہدہ ایک شکیل خاندانی مستحق اور نیک

نیت شخص کو دیتے تھے۔ اور جن شخصون میں یہ خوبیان ہوتی تہیں وہ ضرور اپنے فرایض کو نیک نیتی اور مستعدی سے ادا کرتے تھے۔ اور زیادہ خوبی مہاراجہ موصوف کے انتظام کی یہ تھی۔ کہ ایک تو وہ ملازمت ہی اچھے آدمیون کو دیتے تھے۔ دویم وہ اُن کی کارروایون کی نگرانی بہی نہایت تیز اور گہری نگاہ سے کرتے تھے۔

یہی باعث تھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کے زمانہ کے اہلکار اپنا فرض عمدگی سے ادا کرتے تھے۔ اور بہت بارعب آدمی نظر آتے تھے۔ بوجہ جس کے رعایا اونکی عزت بھی بہت کرتی تھی۔ اور اُن کے احکام کی تعمیل بھی بخوبی کرتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ تعلیم یافتہ لوگ اُس زمانہ میں بہت کم تھے۔ لیکن سچ تو یہ ہے۔ کہ اہلکارون کی تقرری کی نسبت مہاراجہ گلاب سنگھ جیمہ انگریزی مورخ سوفٹ صاحب کے ہمخیال جیسے نظر آتے تھے جسنے اپنی نامی کتاب سفرنامہ گلاپور میں فرضی قوم للی پوٹین کے قوانین اور قواعد کے بیان میں طنزاً لکھا ہے کہ اس فرضی قوم کا عقیدہ ہے۔ کہ کوئی انسان کسی نہ کسی حکومت کی ماتحتی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ واسطے خدا نے حکومت کرنے کا مادہ ہر ایک آدمی کو بخشا ہوا ہے جسمیں راستبازی انصاف پسندی۔ اور اسی قسم کی اور خوبیون کی ضرورت ہے اور یہ خوبیان بھی کم و زیادہ ہر ایک آدمی میں موجود ہیں۔ جو البتہ تجربہ سے ترقی پذیر ہوجاتی ہیں۔ اُنکا یہ بھی خیال تہا۔ کہ حکومت کرنیکا مادہ کوئی ایسا راز سربستہ نہیں ہے۔ جو کہ بجز ایسے نازک خیال اشخاص کے جن میں سے بمشکل تمام دو تین شخص ایک زمانہ میں

پیدا ہوتے ہیں - اور کسی شخص کو نہ آتا ہو -

علاوہ ان اعلیٰ محکمون کے جو مہاراجہ گلاب سنگہ نے اپنے عہد حکومت میں قایم کئے تھے - اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے محکمہ جات اوس نے بنائے تھے - لیکن انمیں سے صرف خزانون کا انتظام ہی ذکر کرنے کے لایق ہے -

مہاراجہ موصوف کے عہد میں ایک ایک خزانچی ہر ایک پرگنہ میں مقرر تہا - پرگنہ کے خزانچی کا افسر جس کو صدر خزانچی سمجھنا چاہئے وزارت یا ضلع میں موجود رہتا تھا - ان سب کا افسر گنیشا بہلوال تھا - جو اپنی دیانتداری کے باعث بہت مشہور و معروف تھا - اور ایک اعلیٰ درجہ کا رکن ریاست گنا جاتا تھا -

مذکورہ بالا محکمہ جات کے بعد یہ ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ مہاراجہ موصوف کے عہد میں انصاف کرنیکا کیا طریقہ تھا - اون کے عہد میں میعاد یا رسوم اشٹام کا تنازعہ کبھی نہیں پیدا ہوتا تھا - بلکہ نہ اوس زمانہ میں کوئی عدالت ابتدائی - نہ ماتحت نہ ہائیکورٹ اور نہ کوئی عدالت مطالبہ خفیفہ تہی - نہ کسی عدالت کا نام عدالت دیوانی نہ فوجداری - اور نہ مال یا جوڈیشل مال تھا نہ کوئی دیوانی - فوجداری نہ مال کا ضابطہ یا قانون تھا - نہ کسی وکیل کی ضرورت تھی - اور نہ کوئی شخص کسی بیرسٹر یا ایڈوکیٹ یا سرکاری وکیل کا ہی نام جانتا تھا - تاہم ہر ایک اہلکار جو کسی ذمہ واری کے عہدہ پر مقرر تہا - یا کوتوال یا تہانہ دار عدالت ابتدائی کا کام دیتا تھا - اور خود مہاراجہ صاحب بہادر اپیل کی عدالت تہے -

گویا عدالت ابتدائی ہر ایک پرگنہ میں موجود تھی - اور اہل مقدمہ

کو ضرورت نہیں تھی - کہ انصاف کی تلاش میں ایک پرگنہ سے دوسرے پرگنہ کو جاتے -

یہ اہلکار بلا لحاظ دیوانی یا فوجداری مقدمات کے ہر ایک قسم کے مقدمہ میں انصاف کرنے کے ذمہ وار تھے -

اون کی قانون کی کتابین جن کی کہ وہ پیروی کرتے تھے - یا تو اُن کے دل کی یہ خواہش تھی - کہ عام سمجہ کے مطابق ایسا عمدہ فیصلہ کیا جاوے - کہ جس میں کسی کو ناانصافی یا ظلم کی شکایت نہ رہے یا مہاراجہ صاحب کے حکم کی پابندی - اور یا ہندو دہرم شاستر اور شرع محمدی تھی -

اور اون کا انصاف بھی اس واسطے تسلی بخش ہوتا تھا - کہ فریق ناراض کی رسائی فوراً مہاراجہ صاحب تک ہو جاتی تھی - اور اسطرح جب وہ شخص چاہتا تھا - اوسیوقت اپیل دایر کر دیتا تھا - اور اوسکا فیصلہ بھی اوسیوقت ہو جاتا تھا - اور چونکہ ہر ایک اہلکار کو یہ معلوم تھا کہ فریق ناراض کا خواہ مخواہ مہاراجہ صاحب کے حضور میں فریادی جانا اون کی بدنامی کا باعث ہوگا - اس واسطے یہ سب لوگ سوچ سمجھ کر انصاف کرتے تھے - اور جرایم اور بدامنی کے انسداد کو اپنا فرض عظیم سمجھتے تھے -

یہ ایک ایسا طریقہ انصاف کرنیکا تھا - کہ جسمیں ایک ناتعلیم یافتہ یا ناخواندہ جج نالایق نہیں گنا جاتا تھا - بشرطیکہ اگر وہ کسی قسم کا بدنیت یا ظلم پسند نہیں تھا - اور تعلیم یافتہ جج کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں خیال کی جاتی تھی - کیونکہ تمام فیصلے دل کے تختہ کاغذ پر زبان کی قلم سے لکھے جاتے تھے - بجز ان زبانی فیصلون کے نہ کوئی مثل ہوتی تھی - اور نہ کسی کو کوئی نقل حکم دینے

کی ضرورت تھی - اور نہ کوئی شخص سال در سال پیشیا بھگتتا تھا - جو کچھ ہونا ہوتا تھا - آناً فاناً ہو جاتا تھا -

اب یہ بھی سن لیجئے - کہ اپیل کس طرح ہوتا تھا - اور اپیلانٹ کا اس پر کیا خرچ آتا تھا - یون تو رسائی کرنا ہمارے موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ کے پاس بھی کچھ مشکل نہیں ہے - جو شخص چاہے ان کو مل سکتا ہے - لیکن ایک فریق مقدمہ کو بحیثیت ایک اپیلانٹ کے انصاف حاصل کرنے میں جو سہولتیں تب تھیں وہ اب کہیں بھی نہیں ہیں -

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب کے اپیلانٹ کو صرف ضرورت یہ تھی کہ ایک روپیہ خام ہاتھ میں لیا - اور جہاں مہاراجہ موصوف اجلاس فرماتے - وہاں چلا گیا - اور کسی ایسے موقعہ پر کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر دیا - کہ جہاں سے مہاراجہ صاحب موصوف کو وہ نظر آسکے مصروفیت مہاراجہ موصوف کی یہ ہوتی تھی - کہ رات کے ۱۱ بجے تک مشعلوں کی روشنی میں دربار لگا رہتا تھا - جونہی وہ دیکھتے تھے - کہ کوئی شخص فاصلہ پر اپنا ہاتھ بلند کئے کھڑا ہے - وہ فوراً جان لیتے تھے - کہ یہ شخص فریادی ہے - کچھ عرض کرنا چاہتا ہے اور چوبدار کو بھیجکر اوس کو اپنے حضور میں طلب کر لیتے تھے - جو پیش ہو کر وہ خام روپیہ جو موجودہ آٹھ آنہ کے مساوی تھا مہاراجہ موصوف کے ہاتھ پر رکھکر اپنی عرض کا سلسلہ شروع کر دیتا تھا - نتیجہ اس پیشی کا یہ ہوتا تھا - کہ جیسے مقدمہ کے حالات ہوتے تھے - اون کے مطابق یا تو اپیلانٹ کا انصاف وہیں دم بر اجلاس فرما دیتے تھے - یا جس کاردار - کوتوال یا تھانہ دار کے فیصلہ کے برخلاف شکایت ہوتی تھی - اوسکی طلبی

اوسی وقت ہو کر روبکار کے مطابق فیصلہ کر دیا جاتا تھا - اور اگر شکایت سچی ہوتی تھی - تو جس کاردار کے متعلق ہوتی تھی - اوس سے بازخواست کیجاتی تھی - کہ انصاف کرنے میں وہ کامیاب کیوں نہیں ہوا -

اکثر دفعہ جب مہاراجہ صاحب دیکھتے تھے - کہ شکایت کسی ایسے دوردست پرگنہ کے متعلق ہے - جہاں کا کاردار اجلاس میں جلد نہیں آسکتا - تو فریادی کو ایک چوبدار کے ذریعہ اوس کاردار کے پاس بدین حکم روانہ کر دیتے تھے - کہ فریادی مذکور کا رضانامہ پیش کیا جاوے - مہاراجہ موصوف کو انصاف کرنیکا اتنا شوق تھا کہ کسی فریادی کو دیکھکر اپنے ہاتھی یا گھوڑے کو کھڑا کر دیتے تھے اور اوس کی عرض سنتے تھے -

یہ کہنا بہت مشکل ہے - کہ زمانہ مذکور کے انصاف میں کوئی نقص نہیں تھا - البتہ یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے - کہ اوس زمانہ کا انصاف بہت سستا - بہت سیدھا - بہت جلد - بہت عملی اور بہت سچا تھا - اور اُس میں اور بھی کئی قسم کی خوبیاں تھیں مہذب دنیا کا انصاف اُن واقعات پر مبنی ہوتا ہے - جو کہ مثل میں ہوتے ہیں - لیکن عموماً اصلیت کچھ اور ہوتی ہے - بڑی خوبی اُس زمانہ کے انصاف کی یہ تھی - کہ ایک گنوار شخص کو بھی تعلیم یا کسی قانونی کتاب یا امتحان کی ضرورت - اصلی انصاف کرنے کیواسطے نہیں پڑتی تھی - حالانکہ اس زمانہ میں صرف وہی شخص انصاف کرنے کے لائق ہوتا ہے - جو کہ یا تو کسی یونیورسٹی کا گریجویٹ یا بیرسٹر ہو -

ایک اور خوبی اوس زمانہ کے انصاف کی یہ تھی کہ ہر ایک کاردار

کچھہ تو خدا کے خوف سے کچھہ بدنامی سے بچنے کے لئے اور کچھہ مہاراجصاحب کے ڈر سے اصلی انصاف کرنیکی کوشش کرتا تھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں خدا کا خوف یا بدنامی کا ڈر تو جدا رہا۔ حکام بالا کی بھی کوئی پرواہ نہیں کیجاتی ہے۔ جس کا باعث یہ ہے کہ اگر کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کی اپیل منظور ہوجاتی ہے تو وہ بھی اور اوس کے حکام بالا بھی اوس کی غلطی کو اختلاف رائے سے منسوب کرتے ہیں۔

مثل دیگر مشرقی بادشاہون کے معدلت گستری کے متعلق مہاراجہ موصوف کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنی رعایا کے محافظ اور خدمتگذار تھے۔ اور جسقدر کہ ریاست کی آمدنی ہے۔ وہ بھی رعایا کا ہی سرمایہ ہے۔ اور رعایا کی ہی بہبودی اور رفع مشکلات کے واسطے جمع کیا جاتا ہے۔ اور اوسی کام میں لگایا جانا چاہئے اور جو کچھہ مہاراجہ صاحب موصوف اس عوام الناس کے سرمایہ میں سے اپنے ذاتی خرچ میں لاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اسکے مستحق اُس حالت میں سمجھتے تھے جبکہ اُن سے رعایا کی پرورش اور آرام رسانی کی خدمت بخوبی ادا ہوسکتی تھی۔ اس قسم کے خیالات کو پیش نظر رکھکر مہاراجہ موصوف معدلت گستری کو ایک معمولی فرض نہیں خیال کرتے تھے۔ بلکہ جان و مال کی حفاظت اور ریاست کی بہتری کا ذریعہ اسیکو سمجھتے تھے۔ اور ان خیالات کے مطابق اُن کے نزدیک سب سے زیادہ لایق اہلکار وہی شخص تھا۔ جو کہ جرایم کا اچھا انسداد کرسکتا تھا۔ اس باعث سے اون کے زمانہ میں جان و مال کی حفاظت مکمل تھی۔ اور جرایم کا انسداد اس حد تک پہونچا ہوا تھا۔ کہ

سروالٹر لارنس صاحب مورخ کشمیر ویلی کو اپنی کتاب میں لکھنے کا موقعہ ملا۔ کہ کشمیر میں سنگین جرایم کا ارتکاب بالکل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔ بلکہ برعکس سابقہ زمانہ کی نسبت جون جون شایستگی ترقی کرتی جاتی ہے۔ تون تون سنگین جرایم بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے ہیں۔

مہاراجہ موصوف کا یہ بھی خیال تھا کہ ہر ایک آدمی کسی نہ کسی صورت یا حالت میں کچھ نہ کچھ اپنی کمائی میں سے محض اسواسطے سرکاری خزانہ کی نذر کرتا ہے۔ کہ اوس کی جان و مال کے امن میں خلل نہ آوے۔ اس واسطے کوئی شخص اپنے آپ کو امن کی حالت میں نہ سمجھے۔ اور فریادی ہوکر عدالت کیطرف رجوع لاوے۔ تو اوس کو تسکین دینے کیواسطے یا اوس امن کے معاوضہ میں کہ جس کی قیمت وہ پہلے سے ہی ادا کرتا ہے۔ کورٹ فیس یا رسوم اسٹام کی صورت میں امن کی قیمت دوبارہ طلب کرنا انصاف میں داخل نہیں ہے۔

فوج کے انتظام کی طرف بھی مہاراجہ موصوف کی مصروفیت کچھہ کم نہ تھی محکمہ جنگ جسمیں کہ نہایت محنت کش بہادر اور اچھی قواعد دان فوج شامل تھی۔ ایسے مشہور و معروف جنگ آزمودہ کرنیلون اور جرنیلون کے ماتحت تھی۔ جو کہ کسی جنگ میں کبھی پیٹھ دکھا کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ اپنی فتح یابیون کیواسطے خاص شہرت رکھتے تھے۔

مہاراجہ موصوف کا قاعدہ تھا۔ کہ وہ ہمیشہ اپنی فوج کا۔ اُن کے جنگی اسلحہ کا اور اُن کے بسترون کا باقاعدہ طور پر مقررہ ایام میں ملاحظہ کیا کرتے تھے۔

اون کو جنگی سپاہیون کا یہان تک خیال تھا - کہ فوج میں سے اگر کوئی سپاہی بیمار ہوجاتا - تو اُس کی بیماری کی رپورٹ مہاراجہ موصوف کو فوراً ہوجاتی تھی - جس پر ایک سرکاری حکیم اُس کے علاج معالجے کیواسطے مقرر کیاجاتا تھا - اور تمام ادویات اوس کو سرکار کی لاگت سے مفت ملتی تھین - بلکہ دو سپاہی بھی اوس کی بیمارداری کیواسطے تعین ہوجاتے تھے - اور یہ دونون سپاہی عموماً وہی شخص ہوا کرتے تھے - جو کہ اوس کے ہمپیرہ کے شریک ہوتے تھے - اور جب تک یہ دونون اپنے بیمار سپاہی کی خدمت کیا کرتے تھے - تب تک اونکی پہرہ چوکی معاف رہتی تھی - اور ایک حوالدار اس نگرانی کے واسطے مقرر کیاجاتا تھا - کہ وہ دیکھتا رہے - کہ بیمار کی بیمارداری درمندی اور عمدگی سے ہورہی ہے یا نہیں -

زیادہ عجیب اور قابل ذکر یہہ بات تھی - کہ بیمار سپاہیون کی خبر روزمرہ مہاراجہ صاحب موصوف کے پاس پہونچ کرتی تھی - اور جس سپاہی کا عارضہ خراب ہوتا تھا - یا جس کی بیماری طوالت پکڑ جاتی تھی - مہاراجہ موصوف اُس کی خبرگیری کے لئے خود تشریف لیجاکر اُس کا ملاحظہ ذاتی طور پر کیا کرتے تھے - اور اس طرح سے متواتر اوس کے پاس جاکر اپنے شفقت آمیز الفاظ سے اوسکی خوب دلجوئی کرتے تھے -

مہاراجہ موصوف کے خاص اہلکار حسب ذیل تھے -

ایمن آباد کے دیوان امیرچند صاحب اور اون کے لایق وفایق فرزند دیوان جوالا سہائے صاحب - نگروٹے کے وزیر رتنو صاحب اور اون کے نامی گرامی فرزند وزیر پنون صاحب - کشتوار کے وزیر لکھپت رائے صاحب - اور اُن کے مشہور و معروف

صاحبزادے وزیر زور آور صاحب - بہلوالٹے کے گنپت صاحب جو خزانون کے افسر تھے - سیالکوٹ کے شیخ سوداگر صاحب جو پرلے درجہ کے ایماندار اور دیانتدار آدمی تھے - اور لاہور دربار کے جلا پنڈت کے خاندان میں سے پنڈت رام کشن صاحب جو کہ پکے جواہر شناس تھے - یہ سب اہلکار نہایت دور اندیش منتظم - ایماندار - کارگذار مستعد - نمک حلال - جان نثار اور مہاراجہ موصوف کے پسینے پر اپنا خون گرانے والے تھے اور اپنی خیر اندیشیون میں ایکدوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے -

ملکی انتظام کیواسطے ایسے باکمال شخصون کا چُن چُن کر جمع کرنا - اور فوج کی کمان ایسے جنگ آزمودہ اور لایق وفایق جرنیلون اور کرنیلون کے ہاتھ میں دینی - جو کہ بلحاظ بہادری اور دیگر سپاہیانہ خوبیون کے اپنی نظیر آپ ہی تھے - مہاراجہ گلاب سنگھ کا ہی کام تھا - صیغہ ملازمت کے متعلق مہاراجہ موصوف کی اور تین خوبیان بھی قابل ذکر ہیں - ایک تو یہ کہ اون کا قول تھا - کہ جس شخص کو عملی طور پر نمک نہ دیا جاوے - اوس کو نمکخوار خیال کرنا غلط ہے - بلکہ ایسا ملازم اگر نمک حرامی کرے تو تعجب نہیں - اون کا یہ خیال اون کے دل میں اس پختگی سے اثر پذیر تھا - کہ جس شخص کو وہ ملازم رکھتے تھے - اوسکو ملازمت کے پہلے دن اوس کے درجہ کے مطابق ایک - نمک کا ڈلا ضرور دیا جاتا تھا - اور حتے المقدور نمک کی ڈلی اوس کو دست مبارک سے بھی دی جاتی تھی - اور زبان سے ایسے باتین کہی جاتی تھین - جس سے اوس ملازم کے دل میں نمک حلالی کا بیج ضرور بویا جاتا تھا - یہ ایک اصول تھا - جس سے مہاراجہ موصوف اپنے ملازم کے

تعلقات کو نہایت مضبوط کر دیتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مشرقی لوگوں کو جتنا نمک کا لحاظ ہوتا ہے۔ اتنا اور کسی چیز کا نہیں ہے۔ دوسری خوبی یہ تھی۔ کہ اون کی ریاست کے تمام ملازموں کو ایک ادنیٰ چپراسی سے لیکر اول درجہ کے رکن ریاست تک رسدیں ضرور ملتی تھیں۔ ان کی مقدار۔ تعداد۔ اور عمدگی کا مدار ملازم کے درجہ پر تھا۔ جو اہلکار جتنا بڑا رتبہ والا ہوتا تھا۔ اوسکو تعداد اور مقدار میں اوتنی ہی زیادہ اور اتنی ہی بڑھیا میل کی رسدیں بھی ملتی تھیں۔ اور اسطح سے اگرچہ اخیر درجہ کی رسد ایک تھی لیکن ایسے شخص بھی بہت تھے۔ جن کو پچاس پچاس اور سو سو رسدیں ہر روز ملا کرتی تھیں۔ تیسری خوبی یہ تھی۔ کہ جو شخص ایکدفعہ ملازم ہوجاتا تھا۔ اوس کا موقوف ہونا مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ناممکن تھا۔ ضے کہ اگر کسی ملازم سے کوئی جرم بھی سرزد ہو جاتا تھا۔ تو اُس جرم کی پاداش میں وہ قید ضرور کیا جاتا تھا۔ لیکن رہائی حاصل کرنے کے بعد وہ پھر ویسا ہی ملازم خیال کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ قید ہونے سے پیشتر تھا۔ اور اگر سچ پوچھا جائے۔ تو مہاراجہ موصوف کے اس قسم کے سلوک میں اعلیٰ درجے کی خوبیاں ضرور بھری ہوئی تھیں سزایاب ملازم ایک تجربہ کار ملازم ہو جاتا ہے۔ اور یہ امید کی جاسکتی ہے۔ کہ جو ملازم بوجہ جس جرم کے سزایافتہ ہو جاتا ہے۔ اگر اُس کے ارتکاب سے قطعی طور پر پرہیز نہیں کریگا۔ تو کم سے کم یہ تو ضرور کوشش کریگا۔ کہ وہ دوبارہ سزایاب نہو۔ یا کم سے کم ایک جدید ملازم کی نسبت وہ ضرور زیادہ احتیاط کریگا۔ پس ایسے تجربہ کار ملازم کو سزایابی کے بعد موقوف کر دینے کی نسبت ملازم رکھنا زیادہ مفید ہے۔ دوم جب ایک ملازم نے اپنے جرم کی سزا بھگت لی۔ تو یہ کہاں کا انصاف

ہے۔ کہ اوس کو موقوف بھی کیا جاوے۔ کیا ایک جرم کے بدلے ایک سزا ملنی چاہئے یا دو سزائیں۔ یہ ایک عجیب منطق ہے کہ ایک ملازم جرم تو کرے ایک۔ اور اوس کو سزائیں دیجاویں دو۔ یعنے ایک تو وہ قید کیا جاوے۔ اور جب قید سے رہائی حاصل کرے تو موقوف بھی کیا جاوے۔

مہاراجہ موصوف کے عہد میں کشمیری پنڈتوں اور ڈوگروں کے حقوق کی بہت قدر کیجاتی تھی۔ اور صیغہ ملازمت میں سب سے بڑا حق ریاست کے باشندوں کا خیال کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اُن کے عہد مبارک میں چپراسی۔ محرر۔ منشی۔ اہلمد وغیرہ چھوٹے بڑے اہلکار (بجز چند پردیسیوں کے جو نہایت مستحق تھے) سب کے سب باشندہ ریاست تھے۔

بلحاظ ملنساری کے مہاراجہ گلاب سنگھ کی عادت ایسی اچھی تھی۔ کہ اگر کوئی شخص کسی اتفاق سے اون کو کہیں مل جاتا۔ تو اوس کے ساتھ ایک ایک گھنٹہ تک باتیں کرتے۔ اگر یہ شخص اون کا واقف ہوتا تو اُس سے اون کے کل خاندان کی خیر و عافیت نام لے لے کر دریافت کرتے۔ اور اوس کے قبضہ میں جو درخت یا کوئی اور چیز یا مال مویشی قابل ذکر ہوتا۔ اُن کے حالات پر بھی نہایت دلچسپی سے بات چیت کرتے۔

اگر اون کا ملاقاتی کوئی ناواقف شخص ہوتا۔ تاہم اُس سے پوچھ لیتے تھے۔ کہ اوس کے والدین زندہ ہیں۔ یا نہیں۔ یا وہ کسکا لڑکا ہے۔ اور کہاں رہتا ہے۔ اور کیا کام کرتا ہے۔ یا اُس کے کتنے بھائی اور کتنے لڑکے ہیں وغیرہ وغیرہ مہاراجہ موصوف کو قصے کہانیاں بھی خوب یاد تھیں۔ اور اون کی

کوئی بات ظرافت سے خالی نہیں ہوتی تھی - حافظہ اور یادداشت ایسی عمدہ تھی - کہ جس شخص کو کبھی کہین صرف ایک دفعہ ہی دیکھا ہوتا برسون کے بعد اوس کو بھی برابر پہچان لیتے تھے - اور پہلی ملاقات کا بھی سب حال بتلا دیتے تھے -

مہاراجہ موصوف سنسکرت اچھی جانتے تھے - وہ پکے سناتن دہرم کے ہندو تھے - اپنا نت نیم اور پوجا پاٹھہ اچھی طرح سے کرتے تھے - وہ برہمنون کی بھی اچھی عزت کرتے تھے - لیکن باوجود پکے ہندو ہونے کے دیگر اہل مذہب کے برخلاف بھی کسی قسم کا تعصب یا بیر بہاو نہیں رکھتے تھے - البتہ جو شخص ہندون سے نفرت کرتا تھا - اوس سے وہ بھی نفرت کرتے تھے -

مثل ایک سچے راجپوت کے وہ دوسہرہ بسنت پنچمی وغیرہ دربار نہایت شان وشوکت سے لگاتے تھے - اور انگوٹ کے دن اپنی رعایا کو بڑی بھاری ضیافت دیتے تھے - انگوٹ کی رسم گو اب بھی جاری ہے - لیکن اب اس مذہبی ہندو تہوار مین اس قدر تبدیلیان ہوگئی ہیں - کہ گویا اسکی اصلیت ہی گم ہوگئی ہے

مہاراجہ موصوف کو فقیرون اور بھیک مانگنے والون کا بھی بڑا خیال تھا - جب وہ ہواخوری کو نکلا کرتے تھے - نقد وجنس کی خیرات کیا کرتے تھے - اور یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ کسی فقیر کا سوال خالی جاوے - کیونکہ مہاراجہ موصوف اپنے ساتھ دونی - چوآنی - اور آٹھ آنیان کثرت سے رکھتے تھے - اور اسیطرح سے اون کے ساتھ بیشمار براتین شالی کی لکھی ہوئی موجود ہوتی تہین - جن میں سے اکثر سیر - دو سیر - تین سیر شالی کی اور کوئی ترک - دو ترک - تین ترک وغیرہ کی اور بعضی خروار دو خروار شالی کی ہوتی تہین

اگر کوئی فقیر نقدی کا سوال کرتا - تو اوس کو چاندی کا سکہ مثل دوانی چوآنی کے مل جاتا تھا - جو جنس مانگتا تھا - اوس کو اوسکے نصیبون کے مطابق کوئی شالی کی برات دیدیتے تھے -

کشمیر کے ملنے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگہ نے حکام انگریزی سے ایکدفعہ وزیر آباد مین ملاقات کی - اوس کے بعد اپنی ریاست سے باہر کبھی بھی تشریف نہیں لئے گئے - البتہ جب کبھی ضرورت پڑی - اپنی حدود ریاست مین یا نیلی ٹالی مین یا سوچیت گڈہ مین ملاقات کی - بلکہ وہ زیادہ ملاقاتون کے مشتاق ہی نہیں تھے - نہ اس قسم کی ملاقاتون کو مفید خیال فرماتے تھے -

مہاراجہ گلاب سنگہ کی حکومت کشمیر کے اخیر حصہ مین اون کا تنازعہ اپنے برادرزادہ راجہ جواہر سنگہ ولد راجہ دھیان سنگہ صاحب کے ساتھ برپا ہوا - کیفیت اس تنازعہ کی یہ ہے - کہ راجہ جواہر سنگہ نے کسی کی تحریک سے لاہور مین ایک درخواست حکام انگریزی کے پاس بدین مضمون پیش کی - کہ ریاست کے کوہستانی علاقہ مین سے زیادہ حصہ ملک کا اوس کے باپ راجہ دھیان سنگہ کا کچھہ حصہ اوس کے چچا راجہ سوچیت سنگہ کا تھا - اور کچھہ حصہ اوس کے بھائی راجہ ہیرا سنگہ کا تھا - درخواست مذکور مین یہ بھی درج تھا - کہ ان تمام علاقجات کو مہاراجہ گلاب سنگہ نے ناجائز طور پر جبر اً ہڑپ کر لیا ہے -

یہ واقعات جتلا کر راجہ جواہر سنگہ نے استدعا یہ کی - کہ وہ اپنے باپ چچا اور بھائی کا وارث جائز ہے - اسواسطے مہاراجہ موصوف سے اوسکو یہ علاقہ واپس دلایا جاوے -

یہ درخواست سر جان لارنس صاحب بہادر سکرٹری صاحب بہادر

اور مسٹر منٹگمری صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی۔

تنازعہ یہ اسی قسم کا تھا۔ کہ حکام انگریزی اس پر توجہ فرماتے۔ اس واسطے حکام موصوف نے دخیل ہوکر مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ اس بارہ میں ایک عرصہ تک خط وکتابت کی جسکا جواب مہاراجہ گلاب سنگھ نے ابتدا میں کچھہ بھی نہ دیا۔ لیکن آخرکار جب معاملہ بڑھتا گیا۔ تو مہاراجہ مذکور نے مقدمہ مذکور کی جوابدہی کے لئے دیوان جوالا سہاے اپنے وزیر اعظم کو لاہور بھیجا۔

وہ گورنمنٹ ہوس میں تشریف لے گئے جمعدار نے خود رپورٹ کی۔ اندر جانے کی اجازت ہوئی۔ لیکن کوئی سکتر جیسا کہ دستور تھا۔ اُن کی پیشوائی کو نہ آیا۔ اونھون نے باغ کی سیر کرنی شروع کردی جس پر حسب دستور عزت کے ساتھ جب اندر لیجائے گئے۔ تو اون کو حکم ہوا۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو فہمایش کرکے راجہ جواہر سنگھ کا حصہ دلادیا جاوے۔ لیکن دیوان جوالا سہا ایسی نرم اسامی کہان تھے۔ کہ ہان میں ہان ملا دیتے۔ ہردو طرف سے بہت پولٹیکل گفتگو ہوئی جسکے بعد دیوان جوالا سہاے سوائے متفق الراے ہونے کے اپنے ڈیرے کو چلے آئے اور معاملہ بہت طویل ہوگیا۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ اس قسم کی دست اندازیون کو کب ماننے والے تھے۔ جب حکام انگریزی نے دیکھا۔ کہ یہ دیوانی مقدمہ پولٹیکل رنگت اختیار کرتا جاتا ہے تو فوراً مثل داخل دفتر کردی گئی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب کو خوش کرنے کیواسطے راجہ جواہر سنگھ کو انبالہ میں بہ حیثیت ایک اسیر سلطانی کے رکھا جہان سے راجہ صاحب موصوف

کو اور کہین بھی جانا نہ ملا۔ بلکہ جان بحق بھی وہان ہی ہوئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو مرض ذیابطیس تھا۔ جس کو انگریزی میں ڈائی بیطیز کہتے ہین۔ آخرکار اس مرض نے زور پکڑا۔ اور جب مہاراجہ موصوف نے دیکھا۔ کہ اون کی عمر کا پیالہ دن بدن لب ریز ہوتا جاتا ہے۔ تو اپنی موت سے دو سال پیشتر مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کو راج تلک لگاکر خود کشمیر کی سکونت اختیار کی۔ جہان آخرکار ۶۵ برس کی عمر بھوگ کر سمت ۱۹۱۴ بکرمی مین اس دنیائے دون کو لات مار کر راہی ملک بقا ہوئے۔

جس کے بعد نہ تو راج کاج کا عظیم الشان بوجھ اون کے سر رہا۔ نہ دونون بھائیون کی موت نے کچھہ تکلیف دی۔ بلکہ اون دو بیٹیون کا داغ جدائی بھی جو کہ لاہور کے پولٹیکل جنگون میں مارے گئے تھے۔ دور ہوگیا۔

حاسد مورخون نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بہت الزام لگائے ہین۔ لیکن وہ ایک دہرم آتما آدمی تھے۔ اون کا ذاتی چال چلن قابل تقلید تھا۔ اون کا اخلاق۔ ملنساری کا طریقہ۔ محنت کشی کی عادت مستعدی۔ انصاف پسندی اور دیگر نیک خصلتین۔ عموماً ہر ایک فرقہ کے تاجدارون کے لئے۔ اور خصوصاً ہندو مہاراجگان کیواسطے نظیری خوبیان تہین۔ انکی طبیعت مین نمود اور نخوت بالکل نہین تھا۔ وہ فضول خرچی سے ہرچند بچے اسقدر دور بھاگتے تھے۔ کہ بعضون نے اون کو نہایت کنجوس سمجھ رکھا ہے۔ لیکن جب خرچ کرنے کا وقت آتا تھا۔ تو حاتم کو بھی مات کردیتے تھے۔ وہ عیاشی کو کیا بہ حیثیت ایک انسان کے یا مہاراجہ کے گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ اون کی بردباری۔ تحمل۔ نرمی۔ خوش اخلاقی

ظرافت۔ اور شفقت آمیز ہمدردانہ حکومت کو دیکھکر اگر بجائے انسان کے دیوتا خیال کیا جائے۔ تو مبالغہ نہیں ہے۔

خود غرض لوگون کے خیال مین مہاراجہ گلاب سنگھ مین کوئی بھی خوبی نہیں تھی۔ لیکن بوجہ خوش اخلاقی۔ خدا پرستی۔ رعایا نواز کے وہ ڈوگرون مین فخر قوم خیال کیجاتے تھے۔ اور رعایا مین اسقدر ہر دلعزیز تھے۔ کہ اون کا نام اب بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔

لارنس صاحب مصنف کتاب وادی کشمیر نے اپنی کتاب مین جو تعریف اون کی بے لاگ طریقہ سے تحریر کی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ جو ڈوگرہ مہاراجگان مین سے پہلے مہاراجہ تھے۔ نہایت دور اندیش۔ مستقل مزاج اور باہمت شخص تھے۔ سب سے پہلے اونہون نے کشمیر کو ممبون کی لوٹ مار سے بچانے کے لئے کوہ ڈاون کو محفوظ کیا۔ جہان عموماً لوٹ مار ہوا کرتی تھی۔ اور اوسکا انتظام یہ کیا۔ کہ اوس کے گرد و نواح مین قلعے تعمیر کئے۔ اور کوہستان کو جو جرنیلی سڑک جاتی ہے۔ اوسکی خوب حفاظت کی۔

شیر احمد جو سات سال تک تکلیف پہونچاتا رہا۔ اور جب مقابلہ کی تاب نہیں لاتا تھا کاہگان کو بھاگ جاتا تھا۔ گرفتار ہوجانے پر مہاراجہ موصوف نے دبوسر مین اوس کو جاگیر دیکر بہت اچھا سلوک کیا۔ حتے کہ شیر احمد اوسی جاگیر مین مر بھی گیا۔ وصولی مالیہ کا انتظام مہاراجہ موصوف نے اچھا کر رکھا تھا۔

ایکدفعہ ایک پہاڑی پر سے جو مہاراجہ موصوف کی نظر وادی کشمیر پر پڑی۔ تو فرمانے لگے کہ ایک حصہ ملک کا کوہستانی ہے۔

دوسرا حصہ پانی سے لبالب ہے۔ اور رہا سہا حصہ جاگیردارون کے قبضہ مین ہے۔

لیکن انہون نے فوراً جاگیردارون کا عمدہ انتظام کیا۔ اور اپنی شبانروزہ محنت اور اہلکارون کی نگرانی سے تہوڑے عرصہ مین ہی خوب مالیہ وصول کرنے لگے۔ حتے کہ بعضون نے کہا ہے۔ کہ جو روپیہ مہاراجہ موصوف نے کشمیر کی خرید مین خرچ کیا تھا۔ وہ چند سال مین ہی وصول ہوگیا۔ لیکن یہ سراسر جھوٹ ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ کہ مالیہ کا روپیہ خزانہ مین داخل ہوجاتا تھا۔ یا نہیں۔ وہ ناواجب اخراجات کے بھی دشمن تھے۔ اور جرائم اور ظلم کی روک تہام بھی انہون نے نہایت استقلال سے کی تھی۔ رعایا اور ملازم لوگ جس حدتک اون سے ڈرتے تھے۔ اوسی حدتک اون کی عزت بھی کرتے تھے۔ انہون نے اپنی رعایا اور ملازمین کو عملی طور پر دکھادیا۔ کہ شخصی حکومت کس طرح درجہ کمال کو پہونچ سکتی ہے۔

مہاراجہ موصوف زیادہ کشمیر مین سکونت پذیر رہا کرتے تھے اور جس دور اندیشی۔ ہمدردی۔ منصف مزاجی سے رعایا پر حکومت کرنی شروع کی۔ اوس سے لوگون کی حالت روبہ ترقی ہونے لگی۔ اور رعایا کے دل مین اون کی حکومت کی دہاک بندگئی۔

وہ ایک دانا زمیندار اور سرکار انگریزی کے سچے دوست تھے ایام غدر مین انہون نے حق دوستی کا اچھی طرح ادا کیا۔

اون کی سمادہ دودہ گنگا کے کنارہ پر بنی ہوئی ہے۔
مذکورہ بالا تعریف مہاراجہ گلاب سنگہ کی بالکل سچی موزون اور مکمل فوٹو ہے۔ مسٹر لارنس صاحب نے بجا کہا ہے کہ مہاراجہ صاحب موصوف کے مرنے سے سرکار انگریزی کا ایک سچا دوست کھو یا گیا ہے۔ اور رعایا کے سر سے ایک رعایا پرور مہاراجہ کا سایہ اُٹھ گیا۔

ختم شُد

اشتہار

ساگرام پریس کی بکاؤ کتابین

(۱) زبیر ڈنڈ بدہی مشرح قیمت فی جلد .. .. عیصہ
(۲) ضابطہ دیوانی مشرح قیمت فی جلد .. .. عگے
(۳) قانون رسوم اسٹام حصہ اول قیمت فیجلد .. .. ۴؍
(۴) قانون رسوم اسٹام حصہ دویم قیمت فیجلد .. .. ۶؍
(۵) قانون میعاد سماعت مشرح قیمت فی جلد .. .. .. ۶؍
(۶) قانون مطالبہ خفیفہ قیمت فی جلد .. .. ۴؍
(۷) قانون اجرا ڈگری مشرح قیمت فی جلد .. .. ۱۰؍
(۸) قانون رجسٹری مشرح قیمت فی جلد .. .. ۶؍
(۹) ہدایت مسٹر لارنس صاحب قیمت فیجلد .. .. .. ۳؍
(۱۰) ہدایت ترمیم بندوبست اسکردو قیمت فیجلد .. .. ۸؍
(۱۱) ہیپال کشمیری قیمت فی جلد .. .. ۴؍
(۱۲) زلیخا کشمیری قیمت فی جلد .. .. ۲؍
(۱۳) جغرافیہ ریاست جموں وکشمیر قیمت فی جلد .. .. .. لے؍
(۱۴) بہارڑے مع گر قیمت فیصدی .. .. ۸؍

المشتہر منیجر مطبع ساگرام پریس سرینگر